حجامت سے حکومت تک

محی الدین نواب

یہ سوچنے کا مقام ہے کہ ماضی کا آئینہ سامنے ہو تو حال کو اپنے نقائص دور کرنے کا موقع ضایع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ دشمن کے زوال سے ہی کمال حاصل ہوتا ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ باہر کے دشمن سے مقابلہ آسان ہوتا ہے بہ نسبت گھر کی دیمک سے... جس کی خبر اکثر طوفان گزر جانے کے بعد ہوتی ہے۔ عورت اور حکومت بے وفائی کرنے پر آجائیں تو ذرا دیر نہیں لگاتی... عورت کا آنچل سر پر رکھا ہو تو مرد کو محبت سے سر کرتا ہے اور اگر پیروں تلے آجائے تو بڑے سے بڑے شہزور کو منہ کے بل گرا دیتا ہے۔ وہ راجا بھی ایسا ہی جنگجو اور شہزور تھا جہاں سے گزرتا فتح کے جھنڈے گاڑ دیتا... مگر اس روپ کی رانی کا دل نہ جیت سکا جو ایک معمولی حجّام کی غیر معمولی وجاہت میں اٹکا ہوا تھا۔ گویا محبت جونک بن جائے تو کیا بادشاہی اور کیا گداگری... سب برابر ہو جاتا ہے... شاہوں کا کام حکومت کرنا ہے مگر اسے چلانا مشیروں کا ہنر ہے۔ چندر گپت کو بھی چانکیہ کے روپ میں وہ راہ نما ملا جس نے ذرّے کو آفتاب بنا ڈالا جس کی فہم و فراست نے وہ کارنامے انجام دیے جو برسوں بھلائے نہ جاسکیں گے... ذہانت کے منتر کا کوئی توڑ نہیں ہوتا... اور وہ ساحر بھی کچھ ایسا ہی تھا

ماضی کا آئینہ۔ بااختیار اور بے اختیار انسانوں کے عبرت اثر واقعات

ان دنوں ہندوستان کی ریاست پاٹلی پتر میں راجا مجمودراج کی حکومت قائم تھی۔ ہر دور کے راجا مہاراجا کی طرح وہ بھی مختلف سازشوں کا شکار ہو رہا تھا۔ بلندی پر پہنچنے والے بہت دور تک اپنے دشمنوں پر نظر رکھتے ہیں مگر پہلو میں رہنے والے مار آستین کو پہچان نہیں پاتے۔ ایسے وقت کہا جاتا ہے۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف

اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگی

وہ بھی اندھیرے میں گم تھا۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس تخت پر بیٹھ کر بڑی شان سے حکومت کر رہا ہے اُسے اپنے ہی گھر کی دیمک چاٹ جائے گی جس کے بعد وہ ایسا منہ کے بل گرے گا کہ کبھی اٹھ نہیں پائے گا۔ باہر کے دشمن پر غلبہ پانا آسان ہوتا ہے لیکن گھر کے بھیدی اندھیرے کے تیر ہوتے ہیں جو سیدھے آنکھ والے کو آ لگتے ہیں۔

یہ عورت کیا ہوتی ہے...؟ جو ہمیشہ مرد سے دو قدم پیچھے رہتی ہے اور پیچھے سے ٹھوکر مارنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ اس کا اٹھایا ہوا ایک غلط قدم آگے جانے والے مرد کی پوری نسل کو تباہ کر ڈالتا ہے۔ غور کیا جائے تو ازل سے عورت خدا کی وہ مخلوق ہے جو کسی حال میں خوش نہیں رہتی۔ جنت میں حضرت آدم کو تنبیہ کی گئی تھی کہ شجرِ ممنوعہ کی طرف نہ جائیں مگر بی بی حوا انہیں کشاں کشاں ادھر لے آئی تھیں۔ عورت بھی تنہا نہیں ڈوبتی۔ جنم مرتے دم تک کا ساتھی ہوتا ہے' اسے بھی اپنے ساتھ لے ڈوبتی ہے۔

دنیا کی پہلی عورت کی فطرت بتاتی ہے کہ اسے جنت میں رکھا جائے یا جہنم میں... وہ نہ تو خود چین سے رہتی ہے نہ مرد کو رہنے دیتی ہے۔

عورت اپنے مزاج کے خلاف کسی بھی فیصلے کو برداشت تو کر لیتی ہے لیکن دل سے قبول نہیں کرتی۔ روپا رانی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔ وہ اگنی کے سات پھیرے لینے کے باوجود راجا بھرو واج کو دل سے قبول نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ شہ زور تھا' ایک جنگجو حکمران تھا۔ اس کی عسکری قوت سے آس پاس کے راجا' مہاراجا خوفزدہ رہتے تھے۔ وہ جہاں جاتا تھا' اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دیتا تھا۔ جس علاقے سے گزرتا تھا' وہ علاقہ اس کے نام ہو جاتا تھا۔ لیکن روپا رانی اس کے نام ہونے کے باوجود اس کی نہیں ہوئی تھی۔

ہوتی بھی کیسے...؟ وہ ہمیشہ ایک خوبرو اور مردانہ وجاہت سے بھرپور جیون ساتھی کا سپنا دیکھتی آئی تھی۔ وہ چاہتی تھی اس کا راجا ایسا ہو کہ اس جیسا کوئی دوسرا نہ ہو۔ اسے دیکھ کر رانیاں اور مہارانیاں آہیں بھرتی رہیں۔ جوان نگاہیں اسے ایک نظر دیکھنے کو ترستی رہیں۔ وہ ایسا جنگجو ہو جو دھک دھک کرتے دلوں کی ریاست پر اپنی دھاک بٹھانا جانتا ہو۔

سپنوں کے پھول چنتے ہوئے تعبیر کی راہوں پر آؤ تو پیروں میں حقائق کے کانٹے چبھتے ہیں۔ روپا رانی کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ مردانہ وجاہت اور خوبروئی سے محروم اس کالے کلوٹے راجا بھرو واج کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے اسے پتی کے نام پر ببول کا کانٹا چبھو دیا گیا ہو۔ وہ کانٹا اس کے ذہن میں زہر گھولتا رہتا تھا۔

وہ سامنے آتا تو رانی ایسے منہ پھیر لیتی جیسے رات کے پھیلتے ہی دن کا اجالا منہ موڑ لیتا ہے۔ تخت پر اس کے ساتھ جلوہ افروز ہوتی تو لگتا پہلوئے حور میں لنگور کو بٹھا دیا گیا ہو۔ شادی کی پہلی رات سے اب تک اس نے کبھی اپنے راجا کو نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ جب بھی خواب گاہ میں آتا روپا رانی تمام شمعیں گل کر دیتی تھی۔ ایسے وقت وہ اسے چھوتے ہوئے کہتا تھا۔ "تجھے اس اندھیرے میں دریافت کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔"

جھروکوں سے آنے والی چاندنی خواب گاہ کے اندھیرے کو ایک ذرا اجالا کر دیتی تھی۔ اس مٹی سی روشنی میں اسے جیسے حسن کی تھوڑی تھوڑی سی خیرات ملتی رہتی تھی۔ اس نے کبھی شکایت نہیں کی تھی کہ وہ ایسا کیوں کرتی ہے؟ خود کو اس کے حوالے کرنے کے بعد بھی گمشدہ کیوں رہتی ہے؟

راستوں کا اندازہ ہو تو رہنمائی کے لیے اجالے کی ضرورت نہیں رہتی۔ انگلی سے پہونچے تک پہنچنے والے بہت پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ راجا بھرو واج بھی گھپ اندھیرے میں اپنی منزل تک پہنچ جاتا تھا۔ لیکن رانی کو شکایت تھی۔ وہ جب بھی [illegible] جھنجلائی رہتی تھی۔ "مجھ سے [illegible] سمندر بھرا جاتا ہے۔ تم نے تو میری زندگی میں زہر بھر دیا ہے۔"

ماتا رانی نے کہا۔ "سہاگ کی پہلی صبح سے تو یہی رونا رو رہی ہے۔ تجھے کس زبان میں سمجھاؤں کہ مرد کی اصل خوبصورتی اس کی جاگیر ہوتی ہے۔ اس کی طاقت' اس کی حکومت ہوتی ہے اور راجا بھرو واج کی فوجی شکتی کو کون نہیں جانتا...؟ کون نہیں مانتا...؟ اسے داماد بنانے کے بعد تیرے پتاجی کی طاقت دگنی ہو گئی ہے۔ اسے دشمنوں کے خلاف لشکر کشی کرنے کے لیے راجا بھرو واج سے عسکری امداد ملتی رہتی ہے۔ کیا تو نہیں جانتی' داماد جی کی وجہ سے تیرے پتاجی نے دو بڑی ریاستوں کے راجاؤں کو اپنا باج گزار بنا لیا ہے؟ اور آئندہ بھی ایسی ہی کامیابیاں حاصل کرنے والے ہیں۔"

"پتاجی جیت رہے ہیں اور میں... میں پل پل ہارتی جا رہی ہوں۔"

"عورت کی ہار میں مردوں کی جیت ہوتی ہے۔"

اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ پتاجی نے میرا بیاہ نہیں رچایا' لگن منڈپ کی اگنی میں جھونک دیا ہے؟"

وہ غصے سے بولی۔ "زبان کو لگام دو۔ اپنے پتاجی کے

بارے میں ایسا کہتے ہوئے تجھے لاج نہیں آتی؟"

"میں بدصورت پتی کی آگ میں جلتی رہتی ہوں۔ میری زبان سے انگارے ہی برسیں گے۔"

پھر وہ پلٹ کر جانے لگی۔ ماں نے پوچھا۔ "کہاں جا رہی ہے؟"

وہ دروازے پر رک کر بولی۔ "پتاجی کے پاس..."

"ان سے کوئی ایسی ویسی بات نہ کرنا..."

اس نے ایک نظر ماں پر ڈالی۔ پھر خاموشی سے پلٹ کر وہاں سے چلی گئی۔ باپ کی خواب گاہ کی طرف آئی تو پتا چلا' وہ پائیں باغ میں شاہی حجام کے ساتھ ہے۔ وہ راج محل کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی پائیں باغ میں آئی لیکن آگے بڑھتے بڑھتے ایک ذرا ٹھٹک گئی۔

پھولوں کی کیاری میں اس کا باپ شاہی مسند پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ایک داسی ہاتھوں میں بڑا سا آئینہ تھامے کھڑی ہوئی تھی اور ایک خوبرو نوجوان راجا کے بال تراش رہا تھا۔

وہ جہاں تھی' وہیں رک گئی۔ سر سے پاؤں تک اس نوجوان کا جائزہ لینے لگی۔ وہ مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا۔ رانی جس راجکمار کو خوابوں میں دیکھتی آئی تھی' وہ مجسم ہو کر نگاہوں کے سامنے چلا آیا تھا۔ [illegible] تصویر بن جاتی ہے [illegible] سوچا بھی نہ تھا [illegible] ایسا خوبرو' بانکا' چھبیلا دل میں دھپ سے آ کر بیٹھنے والا کوئی حجام بھی ہو سکتا ہے۔ وہ جیسے اس کے حواسوں پر چھانے لگا۔ اس نے ایک داسی کو بلا کر بے چینی سے پوچھا۔ "یہ نوجوان کون ہے؟"

وہ بولی۔ "شاہی حجام کا بیٹا ہے۔ باپ بیمار ہے۔ اس لیے یہ راجا کی خدمت کے لیے آیا ہوا ہے۔"

اس نے زیرِ لب کہا۔ "حجام کا بیٹا...؟"

وہ بے چینی سے سوچنے لگی۔ "قدرت بھی کیسے کیسے تماشے دکھاتی ہے؟ اس جیسے نوجوان کو تو کسی ریاست کا راجکمار ہونا چاہیے۔ مگر بھگوان نے اسے حجام کے گھر پیدا کر کے بڑا ظلم کیا ہے۔"

پھر وہ بھرو واج کے بارے میں ناگواری سے سوچنے لگی۔ "اور جس کم بخت کو حجام ہونا چاہیے' وہ پاٹلی پتر کا راجا بنا بیٹھا ہے اُدھر..."

وہ سر جھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ ایسا پرکشش تھا کہ مقناطیس کی طرح اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ سیدھا دل میں اتر رہا تھا۔ اس نے داسی سے پوچھا۔ "اس کا نام کیا ہے؟"

"اس کا نام ست نام ہے۔"

پڑیے گر بیمار

اس میں شک نہیں کہ ہمارے ہاں باعزت طریقے سے مرنا ایک حادثہ نہیں، ہنر ہے۔ جس کے لیے عمر بھر ریاض کرنا پڑتا ہے۔ اور اللہ اگر توفیق نہ دے تو یہ ہر ایک کے بس کا روگ بھی نہیں۔ بالخصوص پیشہ ور سیاستدان اس کے فنی آداب سے واقف نہیں ہوتے۔ بہت کم لیڈر ایسے گزرے ہیں جنہیں صحیح وقت پر مرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ ہر لیڈر کی زندگی میں، خواہ وہ کتنا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو، ایک وقت ضرور آتا ہے جب وہ ذرا ہی کڑا کر کے مر جائے یا اپنے سیاسی دشمنوں کو رشوت دے کر اپنے آپ کو شہید کرا لے تو وہ لوگ سال کے سال نہ سہی، ہر الیکشن پر ضرور دھوم دھام سے اس کا عرس منایا کریں۔ البتہ دقت یہ ہے کہ اس قسم کی سعادت دوسرے کے زورِ بازو پر منحصر ہے اور سعدی کہہ گئے ہیں کہ دوسرے کے بل بوتے پر جنت میں جانا عقوبتِ دوزخ کے برابر ہے۔ پھر اس کا کیا علاج کہ انسان کو موت ہمیشہ قبل از وقت اور شادی بعد از وقت معلوم ہوتی ہے۔

مشتاق احمد یوسفی کی کتاب "چراغ تلے" سے اقتباس

اس نے داسی کو وہاں سے جانے کا حکم دیا اور خود باپ کے پاس آ گئی لیکن نگاہیں ست نام پر جمی ہوئی تھیں جو اپنے کام میں مصروف تھا لیکن آنے والی نے اس کے ذہن کو جھٹکا دیا۔ وہ ذرا بے چین سا ہو گیا۔ نگاہوں کی میٹھی میٹھی چبھن نے وجود کے اندر جیسے گرمی سی بھر دی تھی۔ بڑے سے آئینے میں راجا کو اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا ہوا...؟ تیرے ہاتھ کیوں رک گئے...؟ ادھر کیا دیکھ رہا ہے؟"

اس نے چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ "کک... کچھ نہیں... بس وہ..."

راجا نے اپنی بیٹی کو دیکھا پھر ست نام سے کہا۔ "میری روپا بیٹی اتنی سندر ہے کہ اسے دیکھ کر سپاہیوں کے ہاتھوں سے تلواریں چھوٹ جاتی ہیں۔ اپنا استرا سنبھال۔ نہیں تو میری گردن جائے گی۔"

ایسا کہتے ہوئے اس نے بڑے فخر سے اپنی خوبصورت اور چہیتی بیٹی کو دیکھا۔ وہ باپ کے سامنے اس انداز سے بیٹھی ہوئی تھی کہ ست نام کی نظریں اس کی نظروں سے ملتی رہیں۔ وہ پیشے کے اعتبار سے دو کوڑی کا تھا۔ اپنے آقا کی بیٹی کو نظر بھر

کر نہیں دیکھ سکتا تھا مگر رانی کا قیامت خیز حسن جیسے پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔ "یہ دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ..."

اور وہ دیکھ رہا تھا، بار بار دیکھ رہا تھا اور یہ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ راج محل کی راجکماری، پاٹلی پتر کے راجا کی مہارانی اس کم ذات والے کو بڑی میٹھی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ وہ نادان بچہ نہیں تھا، جو ان نگاہوں کی بولیوں کو سمجھ نہ پاتا لیکن کچھ باتیں سمجھ میں آنے کے باوجود الجھاتی رہتی ہیں۔ وہ آئینہ دیکھتا تھا۔ اپنی خوبروئی سے اچھی طرح واقف تھا۔ گلی محلے کی درجنوں لڑکیاں اس کے لیے آہیں بھرتی تھیں لیکن ایک راجکماری کا جھکاؤ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اس کی نگاہیں جو پیغام دے رہی تھیں وہ نظروں کا دھوکا لگ رہا تھا۔

اس نے دل کو سمجھایا۔ "کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ آکاش کو چھونے کی تمنا کرنے والے منہ کے بل گرتے ہیں۔ ویسے بھی وہ محلوں کی رانی شادی شدہ ہے۔ بھلا میرے لیے کوئی جذبہ کیوں رکھے گی؟"

ست نام کی چور نگاہیں اسے تھوڑا تھوڑا سا چاہ رہی تھیں۔ چور کو اس کے جرم کی سزا ضرور دینی چاہیے اور وہ اس کے لیے سزا تجویز کر چکی تھی۔ شام کے بعد جب وہ محل سے رخصت ہونے لگا تو رانی کی ایک رازدار داسی نے ست نام کو تنہائی میں روکتے ہوئے کہا۔ "تو آج رات محل میں ٹھہرے گا۔"

اس نے پوچھا۔ "محل میں...؟ لیکن کیوں؟ یہاں میرا کوئی کام نہیں ہے۔"

"جانتی ہوں لیکن راجکماری کا حکم یہی ہے کہ آج رات تو گھر نہیں جائے گا۔"

اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "راجکماری؟ تیرا مطلب وہ، روپا رانی...؟"

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔ "اس نے ایسا حکم کیوں دیا ہے؟"

"تیرے ہر سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ جو کہا ہے اس پر عمل کر..."

محل کے پچھلے حصے میں ملازموں کے لیے درجنوں کمرے بنے ہوئے تھے۔ وہ داسی اسے ایک کمرے میں پہنچا کر چلی گئی۔ وہاں چراغوں کی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ایک طرف بچھے ہوئے تخت پر بیٹھ گیا۔ سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ راجکماری نے اسے محل میں کیوں روکا ہے؟ اس سے کیا کام ہوسکتا ہے؟ دماغ میں سوالات کی یلغار ہو رہی تھی۔

اس داسی نے ادھورا پیغام سنا کر اسے الجھا دیا تھا۔ وہ کبھی ٹہل رہا تھا، کبھی بیٹھ رہا تھا اور کبھی لیٹ جاتا تھا۔ بے چینی اور تجسس کے مارے کہیں قرار نہیں آرہا تھا۔ رفتہ رفتہ محل کی چہل پہل میں کمی آرہی تھی۔ رات اور گزری تو مکمل سناٹا چھا گیا۔ سب ہی اپنے اپنے کمروں میں جا کر گہری نیند سو گئے تھے لیکن ست نام کو نیند آنے والی نہیں تھی۔ وہ بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ ایسے ہی وقت چونک کر اٹھ بیٹھا۔ بستر سے اتر کر دروازے سے کان لگا کر سننے لگا۔ باہر قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی اور وہ آہٹ رفتہ رفتہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ ایسے وقت اسی داسی کی آواز سنائی دی۔ وہ سرگوشیانہ لہجے میں بول رہی تھی۔ "وہ اس کمرے میں ہے۔ ضرور جاگ رہا ہوگا۔"

راجکماری کی آواز سنائی دی۔ "ٹھیک ہے۔ اب تو جا۔ اور سن! ادھر رہ کر حالات کا جائزہ لیتی رہنا۔ کوئی بھی خطرہ ہو تو فوراً آگاہ کر دینا...؟"

وہ تائید میں سر ہلاتی ہوئی پلٹ کر وہاں سے چلی گئی۔ دروازے پر مدھم سی دستک سنائی دی تو ست نام نے فوراً ہی اسے پوری طرح کھول دیا۔ وہ اندھیرے میں تھی۔ دروازہ کھلتے ہی جیسے ایکدم سے روشن ہوگئی۔ کمرے میں جلنے والا چراغ اسے سر سے پاؤں تک واضح کر رہا تھا۔ وہ سحرزدہ سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ کسی دلہن کی طرح سجی ہوئی نظروں کے سامنے کھڑی تھی۔ [illegible] چار چاند لگا دیے تھے۔ وہ رنگ روپ کی بھول بھلیوں میں ایسا بھٹکا کہ مہمان نوازی کے ادب آداب بھول گیا تھا۔ روپا نے مسکرا کر دھیمی آواز میں پوچھا۔ "کیا اندر نہیں بلاؤ گے...؟"

وہ ایکدم سے چونک گیا۔ پرنام کرنے کے انداز میں فوراً ہی ہاتھ جوڑتا ہوا ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ اندر آکر ایک ملازم کے تخت پر شاہانہ انداز میں بیٹھ گئی۔ اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگی۔ وہ کچھ گھبرایا ہوا سا لگ رہا تھا۔ ہاتھ جوڑے سر جھکائے ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔ روپا نے مسکرا کر کہا۔ "کیا مندر میں بھگوان کے سامنے کھڑے ہو؟"

وہ بولا۔ "راج گھرانے کے سب ہی افراد ہمارے لیے بھگوان سمان ہوتے ہیں۔ ہمیں انہیں پورا سمان دینا چاہیے۔"

"اور جنہیں سمان دیا جاتا ہے۔ ان کے ہر معاملے کی پردہ پوشی بھی کی جاتی ہے۔"

"بے شک..."

"تو پھر دروازہ بند کردو۔"

اس نے ایک ذرا جھجک کر اسے دیکھا پھر آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک ایک قدم چلتی ہوئی اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔ "تمہیں دیکھ کر اندازہ

ہو رہا ہے، پہلی نظر کی محبت کسے کہتے ہیں۔"

اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ کچھ زیادہ ہی قریب آگئی تھی۔ اتنی قریب کہ اس کی سانسوں کی آنچ ست نام کے چہرے کو چھو کر اس کے پورے وجود کو سلگا رہی تھی۔ وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ "یہ... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ محبت اور مجھ سے...؟ ہم... میں حجام کا بیٹا ہوں۔ نیچی ذات کا ہوں..."

"ہاں، جانتی ہوں پھر بھی تمہیں چاہنے لگی ہوں نا۔"

ان لمحات میں اس کی حالت ایسی ہوگئی تھی جیسے کسی مفلوک الحال کو اچانک ہی ڈھیر ساری دولت مل جائے۔ وہ کسی خزانے سے کم نہیں تھی۔ لوگ راجکماریوں کے خواب دیکھتے ہیں اور وہ تعبیر بن کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی گردن میں باہوں کا ہار پہناتے ہوئے بولی۔ "تو بڑا بھاگوان ہے۔ میں آسمان ہوں، تیری دھرتی پر اتر آئی ہوں۔"

وہ اس پر جھکنے لگی۔ آسمان کی بھری بدلی تھی، کھل کر برسنے لگی۔ شاہی محلات میں ایسے تماشے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اس نے پوچھا۔ "کیا تمہیں وشواس ہو رہا ہے دھرتی اور آکاش کا ملن ہو سکتا ہے؟"

وہ بولا۔ "[illegible]"

"ہم لوگ اپنی اپنی ضرورت دیکھتے ہیں، چاہے وہ ضرورت کسی بھی راستے سے پوری ہو رہی ہو۔"

وہ راج محل میں چور راستے سے آکر سہما ہوا تھا۔ پریشان ہو کر بولا۔ "مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ ایسے چور سمبندھ زیادہ دنوں تک چھپے نہیں رہتے۔ سو دن چور کے ہوتے ہیں تو ایک دن شاہ کا ضرور آتا ہے۔"

"وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔ جب تک میں چاہوں گی۔ تب تک میرے جیون کا ہر پل میری مٹھی میں رہے گا۔ میں مہارانی ہوں۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "تم ایک راجا کی دھرم پتنی ہو۔ محلوں کی رانی ہو۔ پھر مجھ جیسے حجام سے ایسا سمبندھ کیوں رکھنا چاہتی ہو؟"

وہ بولی۔ "آئندہ خود کو حجام نہ کہنا۔ تم میرے محبوب ہو۔ میں ہمیشہ سے جس راجکمار کا سپنا دیکھتی آئی ہوں، تم اس کی تعبیر ہو۔"

"اور راجا جی مہاراج...؟"

راجا کے ذکر پر اس نے ایسا برا سا منہ بنایا جیسے کڑوا کریلا منہ میں آگیا ہو۔ وہ ناگواری سے بولی۔

"اوہ... وہ راجا ہے مگر کسی کام سے بھی گیا گزرا ہے اور تم جام ہو کر راجاؤں کے راجا لگتے ہو۔"

وہ اس کے چہرے پر انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔ "تمہیں پا کر میں نے پورا راج پاٹ حاصل کر لیا ہے۔"

سلسلے چلتے ہیں تو پھر چلتے ہی چلے جاتے ہیں۔ وہ جب جب میکے آتی تھی، ست نام کے پہلو میں اپنی راتوں کو رنگین بناتی رہتی تھی۔ ایسے رنگین اور سنگین معاملات زیادہ عرصے تک نہیں چھپتے۔ اس نے کہا تھا 'سو دن چور کے ہوتے ہیں تو ایک دن شاہ کا ضرور آتا ہے... شاہ کا دن تو نہ آیا مگر وہ رات آ گئی۔

وہ حسب معمول اپنی داسی کو پہریدار بنا کر کمرے میں رنگ رلیاں منا رہی تھی۔ ایسے ہی وقت دروازے پر دستک سنائی دی تو ہڑبڑا کر بستر سے اتر گئی۔ ست نام نے شدید پریشانی سے اسے دیکھا۔ وہ اپنا حلیہ درست کرتے ہوئے دھیمی سرگوشی میں بولی۔ "فکر نہ کرو۔ میری داسی ہوگی۔"

دوسری بار بھی ویسی ہی جارحانہ دستک سنائی دی۔ وہ ایک ذرا سوچتی ہوئی نظروں سے دروازے کو دیکھنے لگی۔ ایک داسی کی دستک میں ایسی گستاخی نہیں ہو سکتی تھی۔ ایسے ہی وقت باہر سے مدھم مگر غصے سے بھرپور آواز سنائی دی۔ "روپا...! دروازہ کھولو..."

اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر زیر لب کہا۔ "ماتا رانی...؟"

ست نام کے پیروں تلے سے جیسے زمین ہی نکل گئی۔ وہ دھپ سے فرش پر بیٹھ گیا۔ بھید کھل چکا تھا اور دروازہ تو کھولنا ہی تھا۔ منہ زور جوانی کا وہ کارنامہ چھپنے والا نہیں تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ باہر ماتا رانی کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ ست نام جلدی سے اٹھ کر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی جیسے غصے سے ہانپتے ہوئے بولی۔

"ایسے کتوں پر ہم تھوکتے بھی نہیں ہیں اور تو یہاں اس کے ساتھ سونے آئی ہے؟ آگ لگے تیری جوانی کو... تو نے ہماری مان مریادا کو جلا کر بھسم کر دیا ہے۔"

اس نے آگے بڑھ کر ست نام پر تھوکتے ہوئے ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔ روپا یکدم سے اپنے پریمی کے آگے آ کر ڈھال بن گئی۔ وہ طمانچہ جیسے اس کے دل پر لگا تھا۔ اس نے دوسری بار اس پر ہاتھ اٹھانا چاہا تو اس نے ماں کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "اب اس پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ ابھی تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اس کا خون نچوڑ کر رکھ دیتی۔"

پھر وہ ست نام کی طرف پلٹ گئی۔ اس کے بدن پر پلو کا کھونٹ جھال پڑا تھا۔ اسے ساڑھی کے آنچل سے پونچھنے لگی۔ ماتا رانی ہکا بکا سی رہ گئی۔ بیٹی کی دیوانگی اس کی اداؤں سے چیخ رہی تھی۔ وہ ایک نائی کے بدن کو پونچھنے کے بعد اسے چوم رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "میں اس کی خاطر راجا بھرو واج کو اور اس کے راج پاٹ کو تج دوں گی۔ اپنے گبرو جوان کے ساتھ جنگل میں رہ کر منگل مناتی رہوں گی۔"

وہ بیٹی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔ "میں بھول گئی تھی کہ تو پرائی ہو چکی ہے۔ میری بیٹی نہیں، راجا بھرو واج کے محل کی رانی بن گئی ہے۔ تجھ پر ایک ماں کا حکم نہیں چلے گا۔ ابھی یہاں سے چل۔ میں اس کم ذات کے سامنے تجھ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

روپا نے ایک نظر ست نام پر ڈالی۔ وہ بھی بات بڑھا کر اسے کسی مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔ بات بڑھتی، ہنگامہ ہوتا تو ایک راجکماری کو کسی بھی طرح بچا کر اس کمزور کی گردن دبوچ لی جاتی۔ وہ ماں کے ساتھ باہر آ گئی۔ ماتا رانی نے دروازے پر رک کر ست نام سے سخت لہجے میں کہا۔ "او کم ذات... صبح سورج نکلنے سے پہلے اس راج محل سے نکل جانا... ورنہ تجھے اس دنیا سے نکالنا میرے لیے مشکل نہیں ہے۔"

روپا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ "یہ ابھی نہیں رہے گا۔ میرے ساتھ سسرال جائے گا۔"

ماں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "کیا...؟ تو ہوش میں تو ہے؟ راجا بھرو واج [illegible] جلا دے گا۔"

وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ "راجا بھرو واج تو کیا... تریا چلتر کو بھاری رشی اور یوگی لوگ کے دیوتا بھی سمجھ نہیں پاتے۔ میں اسے اپنے آنچل میں چھپا کر لے جاؤں گی۔ مجھ جیسی مہارانی کے آنچل میں صرف وہ مہاراجا ہی جھانکتا ہے اور میں اسے الو بنانا جانتی ہوں۔"

دوسرے روز سواری تیار کروائی گئی اور وہ میکے سے روانہ ہو کر شاہی پالکی میں پائی پتر پہنچ گئی۔ کہاروں نے حسب معمول پالکی کو راجا کی خواب گاہ کے سامنے پہنچ کر فرش پر رکھ دیا۔ وہاں راجا بھرو واج اس کی سواگت کے لیے کھڑا ہوا تھا۔ رانی نے کہا۔ "ابھی پردہ نہ اٹھانا۔ میں نے تمہاری لمبی زندگی کے لیے برت رکھا ہے۔ ایک دانہ منہ میں نہیں رکھا ہے۔ ایک بوند پانی نہیں پیا ہے۔ رات ہوگی، چاند نکلے گا تو اسے دیکھ کر تمہارا ماتھا دیکھوں گی پھر تم مجھے دیکھو گے اور اپنے ہاتھوں سے مجھے کھلاؤ گے۔"

راجا بھرو واج خوشی سے کھل گیا۔ اس نے کہاروں کو حکم دیا کہ پالکی کو خواب گاہ کے اندر پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ خواب گاہ میں آنے کے بعد رانی نے کہا۔ "تم سب جاؤ اور جب تک میں حکم نہ دوں، کوئی اندر نہ آئے۔"

ان کے ساتھ ہی خواب گاہ کی تمام داسیاں بھی باہر چلی گئیں۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ مکمل اطمینان کے بعد وہ پردہ اٹھا کر باہر آ گئی۔ پھر جھک کر پالکی میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "آؤ ست نام... میں اپنی خواب گاہ میں تمہارا سواگت کرتی ہوں۔"

جو سیدھے راستے سے نہیں ملتا، اسے چور راستے سے پایا جاتا ہے۔ روپا نے بھی یہی کیا تھا۔ اس نے جیسا بھی کیا تھا، اسی طرح بڑی چالاکی سے اپنے آنچل میں چھپا کر اسے لے آئی تھی۔

یہ آنچل بڑا مہربان ہوتا ہے۔ اس کی نرم چھاؤں بھی جائے پناہ بن جاتی ہے، بھی جائے گناہ بن جاتی ہے۔ یہ آنچل سر پر ہو تو مرد کو محبت سے سر کرتا ہے۔ پیروں تلے آئے تو اسی مرد کو وہ منہ کے بل گرا دیتا ہے۔ اس آنچل کے سائے میں بچہ دودھ پیتا ہے اور اسی آنچل کے سائے میں جوانی لہو تھوکتی ہے۔ گناہ سات پردوں میں ہو یا زمین کی تہ میں ہو، ننگا ہو ہی جاتا ہے۔ اس ننگے کو آنچل پہنانے والی نے ست نام کی آنکھ والوں کو اندھا کر دیا تھا۔

وہ اس کی شاہانہ خواب گاہ کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "میں اب تک الجھا ہوا ہوں۔ تم سب سے چھپا کر مجھے لے آئی ہو لیکن میں رہوں گا کہاں...؟"

[illegible] خواب گاہ میں میرے ساتھ رہو گے۔"

اس نے ایک ذرا تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "مذاق نہ کرو۔ یہ تو تمہارے راجا کی خواب گاہ ہے۔"

"یہ خواب گاہ پہلے ہم دونوں کی تھی۔ اب ہم تینوں کی ہوگی... میں کچھ سوچ سمجھ کر ہی تمہیں یہاں تک لائی ہوں۔"

وہ مسکرانے لگی۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر خواب گاہ سے ملحقہ ایک چھوٹے سنگھار کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ "تم یہاں رہو گے۔"

وہ اسے دوسرے کمرے کی طرف لے جاتے ہوئے بولی۔ "وہ یہاں آئے گا تو تم اس دروازے سے نکل کر اس کمرے میں آ جاؤ گے۔ یہاں میں کپڑے بدلتی ہوں۔"

اس کی خواب گاہ کے اندر ہی اندر چار چھوٹے بڑے کمرے تھے۔ ست نام کے رہنے اور چھپنے کی اتنی گنجائش تھی کہ وہ ساری زندگی وہاں پڑا رہ سکتا تھا۔ پھوس کی جھونپڑی میں رہنے والے محلوں کے خواب دیکھتے ہیں۔ اسے خواب کی تعبیر مل رہی تھی مگر یہ تعبیر خوف اور تشویش سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ تو ٹھیک ہے۔ میں راجا کی نظروں میں نہیں آؤں گا۔ لیکن ان داسیوں سے کیسے

رانگ نمبر

ایک اور سنگین غلط فہمی جس میں خواص و عوام مبتلا ہیں، اور جس کا ازالہ میں رفاہ عام کے لیے نہایت ضروری خیال کرتا ہوں، یہ ہے کہ مرغیاں دڑبے اور ڈربے میں رہتی ہیں۔ میرے ڈیڑھ سالہ مختصر مگر بھرپور تجربے کا نچوڑ یہ ہے کہ مرغیاں دڑبے کے سوا ہر جگہ نظر آتی ہیں اور جہاں نظر نہ آئیں، وہاں اپنے ورودِ مسعود کا ناقابل تردید ثبوت چھوڑ جاتی ہیں۔ ان آنکھوں نے بارہا غسل خانے سے انڈے اور کتابوں کی الماری سے چوزے نکلتے دیکھے۔ لحاف سے کڑک مرغی اور ڈونگے سے شوربے کی پیالی برآمد ہونا روز مرہ کا معمول ہو گیا اور یوں بھی ہوا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا مگر میرے ہیلو کہنے سے پیشتر مرغ نے میری ٹانگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اذان دی اور جن صاحب نے ازراہ تلطف مجھے یاد فرمایا تھا انہوں نے "سوری! رانگ نمبر!" کہہ کر جھٹ فون بند کر دیا۔

مشتاق احمد یوسفی کی کتاب "چراغ تلے" سے اقتباس

چھپا رہوں گا جو تمہاری خدمت اور خواب گاہ کی صفائی کے لیے اندر آیا کریں گی؟"

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔"

یہی ہوتا ہے۔ عورت جب مسائل حل کرنے پر آتی ہے تو چٹان جیسی رکاوٹوں کو بھی ٹھوکر رکھ دیتی ہے۔ وہ اپنے پتی کو اندھیرے میں رکھنے والی دن کے اجالے میں اپنے یار کے ساتھ پتی ورتی کے رشتے میں اندھیر مچانے لگی۔ انسانی فطرت یکسانیت پسند نہیں کرتی۔ بندہ اگر ایک ہی ڈگر پر چل کر مطمئن ہوتا رہے تو دنیا میں نت نئے تجسس انگیز واقعات بھی جنم نہ لیں۔ ایک خواہش کے بعد دوسری خواہش انسان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی۔ یہی بے چینی انسان کے بدترین رویوں کو ظاہر کرتی ہے اور انہی رویوں کی سیاہی سے انسانی تاریخ رقم ہوتی چلی جاتی ہے۔ راجا بھرو واج کا وہ محل ایک اونچی پہاڑی پر تعمیر کیا گیا تھا۔ خواب گاہ کے جھروکوں سے دور دور تک کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ ہرے بھرے کھیت اور ان سے پرے سرسبز جنگلات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ ست نام ایک جھروکے میں بیٹھا تازہ ہوا کے مزے لے رہا تھا اور بڑی حسرت سے علاقے کی شادابی کو دیکھ رہا تھا۔ رانی نے اس

کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ خیالات سے چونک گیا۔ اس نے پوچھا۔ ''کن سوچوں میں گم ہو؟''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''اس خواب گاہ کے باہر کی دنیا میرے لیے مرچکی ہے۔ ان کھلی فضاؤں کو دور سے دیکھتا ہوں تو تڑپ کر رہ جاتا ہوں۔''

وہ اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے بولی۔ ''تمہاری تڑپ' تمہاری چاہت میں ہوں۔ صرف میں... کیا مجھ سے بیزار ہو گئے ہو؟''

''ایسی بات نہیں ہے۔ تمہارے لیے جو چاہت ہے' وہ تو موت کے بعد بھی ختم نہیں ہوگی۔ بس میں اس قیدی زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔ کھلی فضا میں سانس لینا چاہتا ہوں۔ کیسی مجبوری ہے کہ اس خواب گاہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتا۔''

اس کی باتیں سن کر وہ سوچ میں پڑ گئی۔ وہ بولا۔ ''ویسے بھی ہماری یہ آنکھ مچولی بھیرو راج سے کب تک چھپی رہ سکے گی؟ جس روز اسے خبر ہوگی' وہ میری بوٹیاں چیل کوؤں کے آگے ڈال دے گا۔''

اس کی گہری سوچتی ہوئی نگاہیں ست نام کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے کہا۔ ''جو وہ کرسکتا ہے' کیا تم نہیں کر سکتے...؟''

اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے مکاری جھلک رہی تھی۔ وہ جھروکے کے پار دور تک نظریں دوڑاتے ہوئے بولی۔ ''پالی پتر کی یہ آب و ہوا تمہاری ملکیت بھی ہو سکتی ہے۔''

اس نے ایک بار پھر چونک کر اسے دیکھا۔ ''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

وہ اس کے سینے سے لگ کر بولی۔ ''یہی کہ جسے چاہتی ہوں اسے صرف من کا نہیں اس ریاست کا بھی راجا بنادوں۔''

وہ اسے الگ کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ تو جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنے والی بات ہے۔''

وہ پلٹ کر اس سے دور جاتے ہوئے بولی۔ ''ہمارا ایک ہو جانا کسی خواب سے کم ہے کیا؟ کیا تم بھی سوچ سکتے تھے کہ کسی رانی کی خواب گاہ میں رہ کر ایک شہزور راجا کی آنکھوں میں دھول جھونک سکو گے؟''

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اس سنسار میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا۔''

''ضروری نہیں کہ جو چاہو وہ مل جائے۔ ہم جو کرتے ہیں دنیا سے چھپ کر کرتے ہیں۔ کسی ریاست کا راجا بننا معمولی بات نہیں ہے اور پھر نیچی ذات والے کو کون راجا تسلیم کرے گا؟ ہنستا واویلا مچائے گی۔ راج گھرانے کے افراد مجھے تخت پر بیٹھنے سے پہلے ہی قتل کر دیں گے۔''

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ ''تمہیں مجھ پر وشواس ہے...؟''

وہ اس کا ہاتھ تھام کر سینے سے لگاتے ہوئے بولا۔ ''اپنے آپ سے زیادہ...''

''تو پھر میں تمہیں سمندر میں ڈوب جانے کو بھی کہوں تو ڈوب جاؤ۔ کیونکہ ڈوبنے سے ہی موتی ملتے ہیں۔''

وہ فائدے حاصل کرنے کے لیے اس کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے لگا۔ روپا رانی نے کہا۔ ''میں تجھے زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچانے والی ہوں۔ تیری محبت میں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرتی آئی ہوں۔ آئندہ بھی گزرنے والی ہوں۔ پالی پتر کی ریاست کا مہاراجا بننے کے لیے ایک قربانی تمہیں بھی دینی ہوگی۔''

''کیسی قربانی...؟''

''تمہیں اپنی ولدیت سے انکار کرنا ہوگا۔''

اس نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا۔ ''کیا...؟ یہ... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''تم میری ذات تک محدود تھے تو مجھے پروا نہیں تھی۔ اب صورت حال بدلنے والی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تخت پر بیٹھنے والے مہاراجا کو کوئی چمار کی اولاد کہہ کر پکارے۔''

''کیا میرے انکار کر دینے سے میری اصلیت بدل جائے گی؟''

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''یہ تمہاری بھول ہے۔ ابھی سوچ سمجھ لو۔ میں چمار ہوں۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد بھی چمار ہی کہلاؤں گا۔''

''ہماری چالبازی سے یہ داغ ہمیشہ کے لیے تمہاری زندگی سے دھل جائے گا۔''

''مجھے بتاؤ' کیسے دھل جائے گا؟''

اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اس کے شانے کو دھیرے دھیرے تھپکتے ہوئے بولی۔ ''اپنی ماں کو وہ تمہیں چمار کا بیٹا نہ کہے' تمہارے باپ کے نطفے سے انکار کردے۔''

''تم سمجھ رہی ہو پتا جی مجھے تخت پر بٹھانے کے لیے اپنے نطفے سے انکار کردیں گے۔ یہ تمہاری بھول ہے۔ وہ کوئی سمجھوتا نہیں کریں گے۔''

''تمہاری ماں کرے گی۔ ہر ماں اپنے بیٹے کو آسمان کا چاند اور زمین کا مہاراجا بنانا چاہتی ہے۔ وہ تمہیں دھرتی سے آکاش کی اونچائی پر لانے کے لیے اپنی بدنامی منظور کر لے گی۔ تمہیں اعلیٰ مقام پر پہنچانے کے لیے ذلت کی گہرائیوں میں گر جائے گی۔''

وہ ایک ذرا ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ بولی۔ ''بھگوان کے بعد یہ راز صرف عورت کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیٹ سے جنم لینے والا بچہ کس کے لہو سے ہے؟ ایسے وقت شہزور مرد بے بس ہو جاتے ہیں۔ اپنی ہی اولاد کے معاملے میں مشکوک ہو جاتے ہیں۔ بچے کے سلسلے میں عورت کی گواہی آخری اور اٹل ہوتی ہے۔''

وہ ذرا توقف سے بولی۔ ''اگر تمہاری ماں تمہیں کسی اعلیٰ خاندان کا لہو بتائے گی تو تم بن گیا۔ تمہاری آنے والی نسلیں بھی چمار نہیں کہلائیں گی۔''

''مگر اس طرح میری ماں بدنام ہو جائے گی۔ یہی کہا جائے گا کہ وہ اپنے پتی کو دھوکا دے کر کسی غیر کے ساتھ...''

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''نہیں... میں اپنی ماں کو بدنام نہیں کرسکتا۔''

وہ تلخ لہجے میں بولی۔ ''تمہیں ماں کا بیٹا بننا ہے یا مجھ سے شادی کر کے مہاراجا بننا ہے؟ دنیا میں بہت کچھ پانے کے لیے بہت کچھ کھونا پڑتا ہے۔ تمہاری ماں بوڑھی ہو چکی ہے اور کتنے دن جیے گی؟ اس بدنامی کے ساتھ بہت جلد چتا میں جل کر خاک ہو جائے گی لیکن تمہارا اور تمہاری نسلوں کا مستقبل سنور جائے گا۔''

عورت ہو یا اقتدار... دونوں کی ہوس بہت بری ہوتی ہے۔ ایک چمار تو کیا راجے مہاراجے بھی راج سنگھاسن تک پہنچنے کے لیے اخلاقی پستیوں میں گرتے رہے ہیں۔ یہ ہوتا آیا ہے اور رہتی دنیا تک یہی ہوتا رہے گا۔

ست نام کے دل و دماغ پر پہلے صرف روپا رانی چھائی ہوئی تھی۔ پھر پالی پتر کی راج گدی اسے للچانے لگی۔ وہ اپنی محبوبہ کی انگلی تھام کر اس گدی تک پہنچ سکتا تھا۔ لیکن سونے چاندی کے سنگھاسن تک پہنچنے کے لیے ماں کو ذلت کی پستیوں میں گرانا لازمی ہو گیا تھا۔

جب تک ماں راضی نہ ہوتی' وہ اپنی منزل تک پہنچ نہ پاتا۔ اس نے کہا۔ ''ماں سے ملنا ہوگا۔ اسے اپنا ہمراز بنا کر اپنے مقصد کے لیے راضی کرنا ہوگا۔''

وہ خواب گاہ سے باہر نہیں جاسکتا تھا۔ لہٰذا روپا رانی نے اس کی ماں کو بڑی رازداری سے اپنی خواب گاہ میں بلالیا تھا۔ وہ بیٹے کو ایک مہارانی کے ساتھ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ بیٹا بھی قیمتی لباس میں بڑی سج دھج کے ساتھ مہاراجا لگ رہا تھا۔

شناخت

انہیں مانوس کرنے کے خیال سے بچوں نے ہر ایک مرغ کا علیحدہ نام رکھ چھوڑا تھا۔ اکثر کے نام سابق لیڈروں اور خاندان کے بزرگوں پر رکھے گئے۔ گو ان بزرگوں نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا مگر ہمارے دوست مرزا عبدالودود بیگ کا کہنا تھا کہ یہ بے چارے مرغوں کے ساتھ بڑی زیادتی ہے لیکن ان ناموں کے باعث مجھے ایک ہی نسل کے مرغوں میں آج تک کوئی ایسی خصوصیت نظر نہ آئی' جو ایک مرغ کو دوسرے سے ممتاز کرسکتے۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے سب مرغ نوزائیدہ بچے اور سکھ ایک جیسی شکل کے نظر آتے ہیں اور انہیں دیکھ کر اپنی بینائی اور جانچنے پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی شناخت و تشخیص کے لیے خاص مہارت و ملکہ درکار ہو جس کی خود میں تاب نہ پا کر اپنے حواس خمسہ سے مایوس ہو جاتا ہوں۔

مشتاق احمد یوسفی کی کتاب ''چراغ تلے'' سے اقتباس

جب اس نے ماں کو اپنے اور رانی کے تعلقات کے متعلق بتایا تو وہ ہکا بکا رہ گئی۔ بیٹا اس سے بھی آگے چونکا دینے والی اور خوف میں مبتلا کر دینے والی باتیں کہہ رہا تھا۔ وہ سن رہی تھی کہ کس طرح راجا بھیرو راج کو موت کے گھاٹ اتارا جائے گا اور اس کی جگہ اس کا جنم بیٹا راج سنگھاسن پر بیٹھے گا۔

اس کی ممتا نے تڑپ کر کہا۔ ''یہ راج گھرانوں کا خطرناک کھیل ہے۔ تو نیچ ذات کا ہے' بے موت مارا جائے گا۔''

''تم چاہو تو میں اونچی ذات کا بن جاؤں گا۔ تم باپو کو چھوڑ کر پالی پتر آجاؤ۔ ہم ماں بیٹے یہاں ایک عالیشان مکان میں بڑے ٹھاٹ باٹ سے رہیں گے۔ یہ ظاہر کریں گے کہ ہمارا تعلق ایک راج گھرانے سے ہے۔ تم اس گھرانے کی ودھوا ہو۔''

روپا رانی نے اس کی ماں سے کہا۔ ''جب بھیرو راج نہیں رہے گا تو میں تمہارے بیٹے سے شادی کروں گی۔ تو پہلے سے ایسا شجرہ تیار کروں گی' جس کے مطابق اس کا تعلق شاہی گھرانے سے ہو جائے گا۔ کسی کو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ یہاں سے سیکڑوں کوس دور کے کسی علاقے کا چمار ہے۔ جب شادی ہو جائے گی اور یہ میرے ساتھ راج گدی پر بیٹھے گا تو

"پھر کوئی اسے حجام کہنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔"

ماں سن رہی تھی اور کشمکش میں مبتلا ہو رہی تھی۔ اس کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ بیٹا ایک وسیع و عریض سلطنت کا مہاراجا بنے گا۔ جو کبھی اس نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا وہ اسے زندگی میں دیکھنے والی تھی۔

وہ بولی۔ "میں تجھے راجا مہاراجا بننے کی دعائیں دے سکتی ہوں مگر اپنے پتی کو چھوڑ کر تیرے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ میں یہاں سے جاؤں گی۔ کسی کو نہیں بتاؤں گی کہ یہاں تو کیا کر رہا ہے؟ کبھی تجھ سے رشتہ بھی ظاہر نہیں کروں گی۔ تجھے دور ہی دور سے دیکھ کر خوش ہوتی رہوں گی۔"

روپا رانی بھی یہی چاہتی تھی کہ نیچ ذات کے لوگ اس محل سے اور پاٹلی پتر سے دور ہی رہیں تو اچھا ہے۔ ست نام نے کہا۔ "ماں جی جب یہاں سے جائے گی تو میں اسے باپو تک لے جاؤں گا۔ یہ میری موجودگی میں اس سے صاف صاف کہہ دے گی کہ میں اس کا نہیں کسی اور کا بیٹا ہوں۔ جب وہ یہ بات مان لے گا اور برادری والے بھی تسلیم کر لیں گے تو میرے دل کو اطمینان ہوگا۔"

روپا نے کہا۔ "میرے دل کو بھی اطمینان ہوگا۔ تمہیں ماں کے ساتھ ضرور جانا چاہیے۔"

اس نے آدھی رات کے بعد بڑی رازداری سے اپنے یار کو اس محل سے نکالا اور کہا۔ "تمہاری بستی یہاں سے دو سو کوس دور ہے۔ جانے آنے میں چار دن لگ جائیں گے۔ آج کے بعد پانچویں رات کو یہ چور دروازہ کھلا رہے گا۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

وہ ماں کے ساتھ ایک بیل گاڑی میں بیٹھ کر اپنی بستی میں آگیا۔ گھر پہنچتے ہی باپ نے دروازہ کھولا۔ بیٹے نے کہا۔ "ماں جی! تیرا یہ پتی اب میرا باپ نہیں ہے۔ اس لیے یہ میرا گھر نہیں ہے۔ میں اندر نہیں جاؤں گا۔ باہر ہی معاملہ نمٹا لے۔"

ماں نے ہچکچاتے ہوئے اپنے پتی سے صاف صاف کہہ دیا کہ ست نام اس کا بیٹا نہیں ہے۔ جب وہ راج محل میں ایک داسی تھی تب ہی ایک راجکمار نے اسے ست نام کی ماں بنا دیا تھا۔ وہ دلہن بن کر اس نائی کے گھر آئی تو دو ماہ کا ست نام اس کے پیٹ میں تھا۔

یہ سنتے ہی حجام طیش میں آگیا۔ بدچلن بیوی کو مارنے کے لیے آگے بڑھا تو بیٹے نے سامنے آکر دیوار بنتے ہوئے کہا۔ "اے! میری ماں کو ہاتھ نہ لگانا۔ تو جس راجا کا حجام ہے میں اس کی بیٹی کا منظور نظر ہوں۔ تو میری ماں کو دکھ پہنچائے گا تو روپا رانی تیری کھال کھنچوا دے گی۔"

باپ اس کی دھونس میں آگیا۔ ماں سر جھکا کر گھر کے اندر جانے لگی۔ بیٹے نے حجام سے کہا۔ "تو میرا کوئی نہیں ہے لیکن یہ میری جنم دینے والی ماں ہے۔ اس گھر میں میری امانت کے طور پر رہے گی۔ خبردار! اس امانت کو نقصان نہ پہنچانا۔ اب میرے ساتھ چل اور برادری والوں کو میری اصلیت بتا دے۔"

بیٹا اتنے اونچے مقام پر پہنچا ہوا تھا کہ باپ نے مجبور ہو کر اس کے حکم کی تعمیل کی۔ گھنٹے بھر میں پوری برادری کو معلوم ہو گیا کہ ست نام ان میں سے نہیں ہے۔ بلکہ نند خاندان کے کسی راجکمار کے نطفے سے ہے۔

یہ تمام معاملات نمٹا کر وہ بڑی رازداری سے روپا کی خواب گاہ میں واپس آگیا۔ وہ چہک کر بولی۔ "تم نے سچے عاشق ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ یہ سن کر خوشی ہو رہی ہے کہ لوگ اب تمہیں نند خاندان کے حوالے سے پہچانیں گے۔"

وہ شراب سے بھرا ہوا پیالہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "تمہاری منزل پاٹلی پتر کی راج گدی ہے۔ فی الحال ایک نئی پہچان کا جشن مناؤ۔"

وہ حجام برادری سے نکل کر شراب کی رنگینیوں اور شباب کی مستیوں میں ڈوب گیا۔ ان دنوں راجا بھر دواج جنگی مہم پر گیا ہوا تھا۔ آخر [illegible] کے بعد وہ واپس آیا تو راج محل میں شادیانے بجائے گئے۔ وہ تین ریاستوں کو اپنا باج گزار بنا کر لوٹا تھا۔ اس فاتح کے اعزاز میں شاندار جشن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہ آس پاس کے راجاؤں سے مبارکباد وصول کرتا رہا۔ جنگی حالات اور اپنے قابل ذکر کارناموں کو بیان کر کے داد و تحسین حاصل کرتا رہا۔ روپا رانی اس کی خوشیوں میں شریک تھی۔ دلہن کی طرح سجی سجائی اس کے پہلو میں جچتی ہوئی تھی۔ راجا بھر دواج نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔ "میں نے اب سے پہلے بھی کئی فتوحات حاصل کی ہیں اور تمہیں اپنی کامیابیوں پر خوش دیکھا ہے لیکن آج تمہارے چہرے کی رونق غیر معمولی ہے۔"

اس نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ بس مسکرا کر رہ گئی۔ بھر دواج نے سوچا تھا محل میں پہنچتے ہی اپنی رانی کو بازوؤں میں جکڑ لے گا لیکن دنیاوی رسم و رواج بھی نبھانے پڑتے ہیں۔ وہ جشن کی رنگا رنگی سے محظوظ ہو رہا تھا اور روپا کے حسن و شباب کو دیکھ دیکھ کر للچا رہا تھا۔

مرد بھی کیا ہوتا ہے...؟ پوری دنیا میں اپنی طاقت اور شہزوری کا ڈنکا بجاتا رہتا ہے۔ فاتح اعظم کہلاتا رہتا ہے مگر گھر کی عورت سے کب اور کیسے مات کھاتا ہے یہ کبھی سمجھ

نہیں پاتا۔ وہ شہزور راجا دنیا کو مات دے رہا تھا اور رانی اسے مات دے رہی تھی۔

رات گئے وہ اپنی خواب گاہ میں آئے تو اس نے کسی قدر عاجزی سے کہا۔ "آج شمعیں نہ بجھاؤ۔"

رانی نے پوچھا۔ "کیوں... کیا میرے حسن و شباب کی چمک دمک ماند پڑ گئی ہے جو جانے کے لیے ان چراغوں کو جلا کر رکھنا چاہتے ہو؟"

"ہائے... تم تو وہ چاند ہو، جو چودھویں کے بعد بھی جگمگاتا رہتا ہے۔"

"تو پھر میری جگمگاہٹ دیکھو۔ چراغوں کا سہارا کیوں لے رہے ہو؟"

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس سے پہلے ہی وہ ایک ایک کر کے تمام شمعدانوں کو گل کرنے لگی۔ خواب گاہ میں رفتہ رفتہ اندھیرا چھا گیا۔ سنگار والے کمرے میں ست نام چھپا ہوا تھا۔ وہاں سے جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ جھروکوں سے آنے والی چاندنی میں خواب گاہ کی ہر چیز سایہ سایہ سی دکھائی دے رہی تھی۔ شاہانہ مسہری پر دو سائے آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ رات کے سناٹے میں بھی دھیمی دھیمی سی کراہیں اور کبھی مدھم سرگوشیاں ابھر رہی تھیں۔

ست نام کی دھڑکنیں تیز ہوتی گئیں۔ اس نے دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ نگاہوں میں روپا رانی کی چاندی کی پازیب جگمگانے لگی۔ یہ زیور کیا ہوتا ہے؟ عورت کے حسن کو چار چاند لگا دیتا ہے مگر یہ چاند مرد کو کیسے تارے دکھاتا ہے وہ سمجھ نہیں پاتا۔

ایک رات پہلے ست نام نے پوچھا تھا۔ "راجا کو ہلاک کیسے کیا جائے گا؟"

رانی نے اسے ایک تیز دھار کا خنجر دیتے ہوئے پوچھا۔ "تم کر سکو گے؟"

اس نے ذرا گھبرا کر لشکارے مارتے ہوئے خنجر کے پھل کو دیکھا پھر انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہ بابا... میں نے آج تک ایک مکھی نہیں ماری پھر اس بڑے راجا کو کیسے ہلاک کر سکتا ہوں؟"

"ابھی روپا رانی کو اور پاٹلی پتر کی ریاست کو اپنے نام کرنے کے لیے تمہیں اس کے سینے میں خنجر اتارنا ہی ہوگا۔"

وہ ہچکچا کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ بولی۔ "چنتا نہ کرو۔ وہ کوئی مزاحمت نہیں کرے گا کیونکہ تمہارے حملے سے پہلے ہی وہ بے جان ہو چکا ہوگا۔"

وہ الجھ کر سمجھنے کے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ وہ سنگار میز پر سے پائل کی ایک جوڑی اٹھا کر اس کے سامنے لہراتے ہوئے بولی۔ "اسے دیکھو... یہ نازک سی پائل کسی کی جان نہیں لے سکتی مگر بھر دواج اسی پائل سے ہلاک ہوگا۔"

اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ وہ ایک پائل سے کیسے ہلاک ہو سکتا ہے؟"

وہ بڑی مکاری سے مسکراتے ہوئے بولی۔ "وہ جب بھی میرے بستر پر آتا ہے میرے ایک ایک زیور کو اپنے ہونٹوں سے اور دانتوں سے اتارتا ہے۔ یہ پائل کل رات ناگن بن کر اسے ڈس لے گی۔"

وہیں میز پر ایک مٹی کا بڑا سا پیالہ رکھا ہوا تھا۔ اس پیالے میں ہرے رنگ کا رقیق آمیزہ تھا۔ رانی نے پازیب کی وہ جوڑی اس پیالے میں ڈال دی۔ پھر اس سے بولی۔ "اس پیالے میں زہر ہے۔"

اس نے ایک ذرا اٹک کر اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ "جب وہ زہر میں بجھی ہوئی پائل کو منہ لگائے گا تو تم سمجھ سکتے ہو اس کا انجام کیا ہوگا؟"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے رانی کو دیکھا۔ پھر اس خطرناک خنجر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "جب اسے زہر سے ہلاک کرنا ہے تو پھر اس خنجر کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت ہے۔ ورنہ اس کے قتل کا الزام مجھ پر آئے گا۔"

"اور اس خنجر کی وجہ سے میں پکڑا جاؤں گا۔"

"جب تک روپا رانی تمہارے ساتھ ہے تم پر کبھی کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

پھر اس نے اپنے منصوبے کے بارے میں اسے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔ "تم مردہ بھر دواج کے سینے پر وار کرو گے اور اس خنجر کو اس جھروکے سے باہر پھینک دو گے۔ وہاں گہری کھائی ہے۔ اس کھائی میں پہلے سے ایک ملازم کی لاش پڑی ہوگی۔ جب میں شور مچاؤں گی اور محل کے پہریدار وہاں جا کر اس لاش کو اور خنجر کو دیکھیں گے تو سب ہی کو یہ یقین ہو جائے گا کہ اسی ملازم نے راجا کو ہلاک کیا ہے۔"

"لیکن وہ ملازم کون ہے؟ اس کی لاش وہاں کیسے پہنچے گی؟"

"یہ میرا دردِ سر ہے۔ تم کیوں سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہے ہو؟ میں راجا بھر دواج کا تختہ الٹنے والی ہوں تو کیا ایک ملازم کو اٹھوا کر اس کھائی میں نہیں پھنکوا سکتی؟"

واقعی عورت چاہے تو بہت کچھ کر سکتی ہے اور وہ کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی راجا کی گھٹی گھٹی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ست نام نے چونک کر خواب گاہ کی طرف دیکھا۔ سایہ سایہ سی دکھائی دینے والی روپا بستر سے اتر کر

لباس پہن رہی تھی اور وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی بستر پر ہونے والی ہلچل ختم ہو گئی۔ اس کی آہیں اور کراہیں بھی خاموش ہو گئیں۔ رانی نے اکا دکا شمعدانوں کو روشن کرتے ہوئے ست نام کو پکارا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ خواب گاہ میں چلا آیا۔ وہاں کسی حد تک روشنی ہو گئی تھی۔ وہ ایک شمعدان ہاتھ میں اٹھائے بستر کی طرف آتے ہوئے بولی۔ "دیکھو... یہ مر چکا ہے۔"

وہ دیدے پھاڑ پھاڑ کر راجا کی لاش کو دیکھنے لگا۔ اس کے منہ سے بہنے والا لعاب بتا رہا تھا کہ اسے زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے۔ رانی نے فوراً ہی آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو ایک کپڑے سے پونچھتے ہوئے کہا۔ "میں نے اپنا کام کر دیا۔ اب تم تابوت میں آخری کیل ٹھونک دو...."

اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ رونگٹوں سے پسینا پھوٹنے لگا۔ وہ اس کی کیفیت کو بھانپتے ہوئے بولی۔ "کیا ایک لاش سے ڈر رہے ہو؟ یہ اٹھ کر تم پر حملہ نہیں کرے گا۔ جاؤ... خنجر لاؤ...."

وہ فوراً ہی جا کر خنجر لے آیا۔ پھر اس سے پہلے کہ اس کے ہاتھ کانپتے' اسے راجا کے مردہ سینے میں پیوست کر دیا۔ رانی بڑے اطمینان سے ایک طرف کھڑی ہوئی تھی۔ ازل سے انسانی تاریخ یہ تماشے دکھاتی آئی ہے کہ مرد راجا بننے سے پہلے اور عورت رانی بننے سے پہلے تک بے حیا اور خونخوار درندے بن جاتے ہیں۔ ایسی چالیں چلتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اس کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد ست نام نے اس خنجر کو جھروکے سے باہر کھائی میں پھینک دیا اور خود سنگار کمرے میں آ کر سامان کے پیچھے چھپ گیا۔ ادھر رانی چیخ' چلائی' خواب گاہ کا دروازہ کھول کر پہریداروں کو آوازیں دینے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں کہرام مچ گیا۔ سیکڑوں ملازم' ملازمائیں اور محل کے دیگر افراد وہاں جمع ہو گئے۔ رانی ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ جھروکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "وہ... اس قاتل نے ادھر جھروکے سے چھلانگ لگائی ہے۔ ہم... میں نے خود دیکھا ہے۔ اسے پکڑو... جاؤ... اسے زندہ نہ چھوڑو۔"

سب ہی سپاہی اور پہریدار قاتل کو پکڑنے کے لیے محل سے نکل کر پیچھے کھائی کی طرف چلے گئے۔ رانی اپنے راجا کی لاش سے لپٹ لپٹ کر رو رہی تھی۔ شاہی طبیب نے ہلاکت کی تصدیق کر دی تھی۔ روپا بھی اپنے بال نوچ رہی تھی' کبھی سینہ کوبی کر رہی تھی۔ محل کی دوسری خواتین اسے تسلیاں دے رہی تھیں۔ وہ ماتم کرتے ہوئے بولی۔ "جب تک اپنے راجا کے قاتل کا مرا ہوا منہ نہیں دیکھ لوں گی مجھے چین نہیں آئے گا۔ کوئی اسے پکڑ کر لائے۔ میں اس کی بوٹیاں نوچ لوں گی۔ اس کی کھال کھینچ لوں گی۔"

تھوڑی دیر بعد ہی سپاہیوں نے آ کر بتایا کہ وہ قاتل اپنی موت آپ مر چکا ہے۔ جھروکے کی بلندی سے گر کر اس کی ہڈی پسلیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ ایک مشیر نے دریافت کیا۔ "آخر وہ کون تھا کون...؟"

ایک سپاہی نے کہا۔ "وہ سزا یافتہ ملازم تھا۔ آنجہانی راجا نے ایک جرم کے سلسلے میں اس کا بازو کاٹ دیا تھا۔"

"اس کا مطلب... اس نے راجا سے انتقام لیا ہے؟"

روپا نے گرج کر کہا۔ "وہ دو کوڑی کا ملازم راج محل کے اندر گھس کر راجا کو قتل کر کے چلا گیا اور تم میں سے کسی کو خبر نہ ہوئی؟ اس محل میں سیکڑوں تربیت یافتہ پہریدار ہر لمحہ چوکنا رہتے ہیں پھر... پھر یہ سب کیسے ہو گیا؟"

ان میں سے کوئی اس کے سوال کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ سب ہی پہریداروں کے سر جھکے ہوئے تھے۔ راجا کی آخری رسومات ادا کرنے کے بعد چالیس دنوں تک راج محل میں ماتمی سکوت چھایا رہا۔ پھر جیسے ایک ہلچل سی مچ گئی۔ رانی نے شادی کا اعلان کرتے ہوئے بھرے دربار میں ست نام کو متعارف کرایا۔ "یہ نند خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا نام مہاپدم نند ہے۔"

دربار میں تمام حاضرین ست نام کو کچھ حیرانی سے کچھ پریشانی کے عالم میں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اب تک دو سو کوس کی دوری پر ایک عام سا نائی تھا۔ راجدھانی میں کوئی اسے نام سے اور چہرے سے نہیں پہچانتا تھا۔ کوئی پہچاننے والا آ بھی جاتا تو روپا رانی کے برابر راج گدی پر بیٹھنے والے کو نائی کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ کہتا تو زبان کھینچ لی جاتی۔ کوئی اس پر انگلی اٹھاتا تو ہاتھ کاٹ دیے جاتے۔

روپا رانی کی ماں نے دانت پیستے ہوئے زیر لب کہا۔ "یہ حجام کی اولاد میری بیٹی کی انگلی پکڑتے پکڑتے راج سنگھاسن تک پہنچ گیا ہے۔"

باپ نے سرگوشی میں کہا۔ "آہستہ بولو... اب وہ ہمارا داماد ہے۔ میں لکیر پیٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ بیٹی کی مخالفت نہیں کروں گا۔ اگر ست نام کا بھید کھلے گا تو صرف اسے نہیں' ہماری بیٹی کو بھی راج گدی سے نکال دیا جائے گا۔ اس

طرح میری طاقت بکھر کے آدھی رہ جائے گی۔"

پتی کے سمجھانے سے پتنی کی سمجھ میں بات آ گئی۔ وہ حجام کا بیٹا ست نام سے مہاپدم نند بن گیا تھا۔ وہ نند خاندان کا بانی کہلایا اور پھر وہ بڑے ٹھاٹ باٹ سے حکومت کرنے لگا۔ زندگی میں ایسی غیر معمولی تبدیلی آئی تھی کہ اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ روپا رانی کی چاہت اور اقتدار کا ایسا نشہ چھایا تھا کہ وہ اپنی اوقات بھول گیا تھا۔ مستی میں ناچتے ہوئے مور کو اپنے بھدے پاؤں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

لیکن اس روز وہ بھدے پاؤں دربار میں چلے آئے۔ ایک اجڑی اجڑی سی پھٹے پرانے کپڑوں میں لپٹی ہوئی بڑھیا اس سے ملنے آئی تھی۔ وہ روپا رانی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہی اسے غور سے دیکھنے لگے۔ اس بڑھیا کا نصف چہرہ میلے آنچل میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے وہ پردہ ہٹایا تو وہ دونوں ایکدم سے اچھل پڑے۔ مہاپدم نے بے یقینی سے زیر لب کہا۔ "ماں جی...؟"

وہاں درباری ملازموں کے علاوہ وزراء اور امراء بھی موجود تھے۔ رانی نے چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ "یہ تمہاری ماں کہاں سے آ گئی؟ فوراً اسے یہاں سے [illegible]"

اس نے ایک ذرا ہچکچا کر رانی کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "میں تمہارے جذبات سمجھ رہی ہوں۔ رات کو قید خانے میں جا کر اس سے ملاقات کر لینا۔"

پتنی کے مشورے کے مطابق اس نے فوراً ہی بوڑھی ماں کو قید خانے میں ڈلوا دیا۔ پھر جب رات گئے محل میں سناٹا چھایا تو وہ اس سے ملاقات کرنے چلا آیا۔ بوڑھی آنکھیں جاگ رہی تھیں۔ بیٹے کی آہٹ پاتے ہی خوشی سے چہکنے لگیں۔ "ست نام تو آ گیا...."

وہ چور بیٹے کی پیداوار نہیں تھا۔ اپنی سگی ماں کی جائز اولاد ہونے کے باوجود چوروں کی طرح اس سے ملنے آیا تھا۔ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب میرا نام ست نام نہیں... مہاپدم نند ہے۔"

وہ بیٹے کے ہاتھوں کو چوم رہی تھی۔ کبھی انہیں سینے سے اور کبھی آنکھوں سے لگا رہی تھی۔ اس کے چہرے کو چھو کر لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میرا بیٹا! میری جان! یہ ممتا کی ماری تجھے دیکھنے کے لیے' تجھے چھونے کے لیے ترس رہی تھی۔"

مہاپدم شاہانہ طرز زندگی گزار رہا تھا۔ ہر وقت زرق برق لباس میں ملبوس رہتا تھا۔ مہکتی خوشبوؤں میں بسا رہتا تھا۔ ماں قریب آئی تو اس نے ناک چڑھا کر ذرا پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "یہ تم نے اپنا کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ لگتا ہے کئی دنوں سے اشنان بھی نہیں کیا ہے؟"

بیٹے کی ناگواری پر وہ جھینپ کر بولی۔ "تو یہاں آ کر مجھے بھول گیا اور میں تیری یاد میں سب کچھ بھول گئی۔ نہانا دھونا' کھانا پینا سب ہی کچھ چھوٹ گیا ہے۔"

وہ واقعی ہڈیوں کا ڈھانچا بن گئی تھی۔ مہاپدم نے پوچھا۔ "تم نے یہاں نہ آنے کا وعدہ کیا تھا پھر کیوں آ گئیں؟"

"ممتا سے بے حال ہو کر آئی ہوں۔"

وہ بولا۔ "چلو' کوئی بات نہیں۔ کل صبح واپس چلی جاؤ۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں... میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ تیرے ساتھ رہوں گی۔ بھگوان کے لیے بیٹا! مجھے خود سے الگ نہ کر...."

وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "شش... دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ مجھے بار بار بیٹا نہ کہو۔"

اس نے فوراً ہی منہ پر یوں ہاتھ رکھ لیا' جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہو۔ یہ کیسا عروج تھا اور کیسا زوال تھا...؟ ایک ماں اپنے بیٹے کو بیٹا... اور ایک بیٹا اپنی ماں کو ماں نہیں کہہ سکتا تھا... وہ اسے گھٹن زدہ قید خانے میں یہ کہہ کر چھوڑ آیا کہ کل اسے یہاں سے جانا ہے۔ رانی اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں بستر کے سرے پر بیٹھ گیا۔ وہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "کیا اسے بتا دیا کہ صبح یہاں سے جانا ہے؟"

وہ ناامیدی میں سر ہلا کر بولا۔ "ہوں... مگر وہ جانا نہیں چاہتی۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کے لہجے سے لگ رہا تھا' بیٹا ماں کی طرف جھک رہا ہے۔ یہ نہیں سمجھ رہا ہے کہ وہ صرف ماں نہیں' ایک حجام کی بیوی بھی ہے۔ اسے راجدھانی میں کوئی دیکھ لے گا تو بھید کھل جائے گا۔

وہ سوچ رہی تھی۔ "یہ بڑھیا تو مصیبت بن گئی ہے۔ یہاں سے دفع ہونے کے بعد بھی ننگی تلوار کی طرح ہمارے سروں پر لٹکتی رہے گی۔ ہر لمحہ اس کی واپسی کا دھڑکا لگا رہے گا۔ وہ بیٹے کی رازدار بن کر عروج دینے والی زوال کا سبب بھی بن سکتی ہے۔"

مہاپدم سر جھکائے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔ قریب آ کر اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے بولی۔ "تم اپنی ماں کو بہت چاہتے ہو؟"

"وہ میری وجہ سے اکیلی پڑ گئی ہے۔ پتی کا گھر چھوڑ کر آئی ہے۔ میں نہیں چاہتا وہ واپس جائے۔"

وہ بڑی فراخ دلی سے بولی۔ "چلو ٹھیک ہے۔ اسے یہاں رہنے دو۔"

اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ پھر خوش ہو کر اس سے لپٹ گیا۔ وہ ایک ذرا سا مسکرا کر اس کی پشت کو تھپکنے لگی۔ کبھی کبھی یہ تھپکیاں سمجھ میں نہیں آتیں۔ آدمی درست اندازہ نہیں کر پاتا کہ تھپکنے والا اس کا حوصلہ بڑھا رہا ہے یا جھوٹی تسلیاں دے رہا ہے۔

وہ دوسری رات ماں کے پاس آیا تو وہ لیٹی ہوئی تھی۔ چہرہ اور جسم کا آدھا حصہ چادر میں چھپا ہوا تھا۔ شاید بیٹے کے انتظار میں جاگتے جاگتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ مہاپدم نے قریب آ کر جگانا چاہا مگر اسے ہاتھ لگاتے ہی چونک گیا۔ وہ برف کی طرح ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ اس نے فوراً ہی چادر ہٹا کر دیکھا تو دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ باچھوں سے بہنے والے لہو کو دیکھ کر سمجھ گیا اسے زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے۔

وہ فوراً ہی وہاں سے پلٹ کر اپنی خواب گاہ میں آیا۔ رانی اس کی منتظر تھی۔ وہ اسے شانوں سے تھام کر جھنجوڑتے ہوئے بولا۔ "یہ... یہ تم نے کیا کیا...؟"

وہ خود کو اس کی گرفت سے آزاد کراتے ہوئے بولی۔ "وہی جو تم بھی نہیں کر سکتے تھے۔"

"مگر ایسا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ میں اسے کچھ دنوں میں رخصت کرنے والا تھا۔"

"میں نے اسے ہمیشہ کے لیے رخصت کر دیا ہے۔"

وہ اس سے لڑ نہیں سکتا تھا' جھگڑ نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ویسے بھی لڑنے جھگڑنے یا بحث کرنے سے وہ واپس آنے والی نہیں تھی اور شاید وہ اسے واپس بلانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ جو رشتہ بوجھ بن جائے اس کا ذہن سے اتر جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ بیٹے کا ساتھ دینے والی کو آخری وقت میں کسی اپنے کا کاندھا بھی نصیب نہ ہوا۔ چار تنخواہ دار سپاہیوں نے اسے شمشان گھاٹ پہنچا کر اس کی چتا کو آگ لگا دی۔ اس کے ساتھ ماں کی ممتا اور دودھ کی نہر بھی پانی ہو گئی۔

سوچنے اور سمجھنے کا مقام ہے کہ ماضی تو آئینہ ہے۔ اس میں اپنا عکس دیکھنے والوں کو اپنے نقص دور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ مگر انسان تو تاریخ کے ہر غیر انسانی موڑ سے مڑتے ہوئے آج تک خونخوار درندہ اور دہشت گرد بنتا چلا آیا ہے۔

پرانوں کے مطابق نند خاندان کی ابتدا مشتبہ ہے۔ ان شکوک و شبہات کے پیشِ نظر بہ آسانی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ نند خاندان کی ابتدا نیچ ذات سے ہوئی تھی۔ ان کے دورِ حکومت کے حوالے سے تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جین مذہب والے ان کا زمانۂ حکومت ایک سو پچپن برس بتاتے ہیں۔ جبکہ بدھ مذہب کی کتابیں مہاونس' دیپاونس اور اسوکاودان ایسی متضاد اور پریشان کن حکایات بیان کرتی ہیں کہ ان کے ذکر سے ان تمام حالات پر مزید تاریکی چھا جاتی ہے۔

پرانوں کی حکایت کے مطابق نند خاندان نے دو پشتوں تک حکومت کی۔ مہاپدم اٹھاسی برس تک حکمران رہا۔ اس کے بعد اس کے آٹھ بیٹوں نے مجموعی طور پر صرف بارہ سال حکومت کی۔ اس طرح یہ خاندان سو برسوں تک حکومت کرتا رہا اور اپنے جانشینوں کی تعداد کے باعث "نو نندون" کے نام سے مشہور ہوا۔

ان دنوں پاٹلی پتر میں مہاپدم کا آٹھواں جانشین مہانندن اپنی حکومت کا سکہ جما رہا تھا۔ عورتوں کا رسیا تھا مگر کسی طوائف زادی کو محل میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وہ واحد حکمران تھا' جس نے پاٹلی پتر کے راج محل میں کبھی کسبیوں کے مجرے کا اہتمام نہیں کیا۔ جب بھی گھنگھروؤں کی کھنک اور طبلے کی دھمک کی خواہش ہوتی تو کسی نہ کسی کوٹھے کی دہلیز پر پہنچ جاتا تھا۔

اپنے وقت کا ایک دوست راست باز اور جانثار مشیر سہاون اس کے ساتھ رہتا تھا۔ مہانندن سے پوچھا جاتا کہ وہ خود کوٹھوں تک کیوں آتا ہے؟ جبکہ دنیا بھر کی حسیناؤں کو خرید کر اپنے محل کی داسیاں بنا کر رکھ سکتا ہے؟ وہ اپنے سوال کا جواب دینے کے بجائے الٹا سوال داغ دیا کرتا تھا۔ "کیا تم نے کبھی کسی پھول کو بھونرے کے پاس آتے دیکھا ہے؟"

"نہیں...."

"کیا کبھی کنویں کو پیاسے کے پاس آتے دیکھا ہے؟"

"نہیں...."

"یہ کسبیاں پھولوں کی طرح ہوتی ہیں۔ ان کا رس چوسنے کے لیے محل سے کوٹھے تک جانا اچھا لگتا ہے۔"

اس روز سہاون کو یہ خبر ملی کہ شمالی ہند کی سب سے بڑی ریاست مگدھ میں مصر سے ایک شعلہ ساماں کسبی لائی گئی ہے۔ مہانندن یہ خبر سن کر مچل گیا۔ فوراً ہی سامانِ سفر تیار کیا گیا اور وہ اپنے مشیر سہاون کے ساتھ مگدھ پہنچ گیا۔ وہاں کے حکمران نے اس کا والہانہ استقبال کیا۔ شام کے بعد جب عیش و طرب کی محفل سجی تو مصری طوائف کے منفرد و نازو انداز دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے میزبان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ مہمان نوازی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ مہمان کی خواہش کا احترام کیا جائے۔ لہٰذا کسبی کی وہ رات مہانندن کے نام وقف کر دی گئی۔

ایسے وقت ایک نوجوان نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے احتجاج کیا: "یہ مصری عورت ریاست مگدھ کی مہمان ہے۔ لہٰذا اس پر پہلا حق ہمارا ہے۔"

مگدھ حکمران اور مہانندن کے درمیان سیاسی گٹھ جوڑ چلتا رہتا تھا اور ان کا یہ تعاون ایک دوسرے کی حکومت کو پائیدار بناتا رہتا تھا۔ اس نوجوان کا احتجاج ان سیاست دانوں کے تعلقات میں دراڑیں ڈال سکتا تھا۔ مگدھ کے راجا نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ مہانندن نے اس نوجوان کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہے یہ...؟"

راجا نے جواب دیا۔ "یہ چندر گپت موریا ہے۔ میرے بھائی کا بیٹا... بہت ہی گرم مزاج ہے۔ پیٹھ پیچھے کرنے والی بات بھی پتھر کی طرح منہ پر دے مارتا ہے۔"

پھر وہ نوجوان سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "چندر! بیٹھ جاؤ۔ مہمان کا احترام کرو۔"

"میں احترام کروں گا لیکن پہلے اس کسبی کے بارے میں درست فیصلہ کیا جائے۔"

"یہ درست ہے۔ میں نے وہی فیصلہ کیا ہے... تم اس فیصلے کی تردید کر کے میرا اپمان کر رہے ہو۔"

"یہ تو صدیوں کی روایت ہے کہ خریدے جانے والے مال پر پہلا حق خریدار کا ہوتا ہے۔ اگر وہ اس مال کو برتنا نہ چاہے تو اسے سب سے پہلے رشتہ داروں اور عزیزوں کے حوالے کرتا ہے۔ یہ مصری طوائف تم نے خریدی ہے۔ اس پر پہلا حق تمہارا ہے۔ اگر یہ تمہیں پسند نہیں ہے تو اسے غیر کی جھولی میں ڈالنے سے پہلے میرے حوالے کر دو۔"

وہ غصے سے بولا۔ "تم کچھ زیادہ ہی بول رہے ہو۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ۔"

وہ مہانندن اور مگدھ کے راجا کو گھورتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ راجا نے سر جھٹک کر ناگواری سے کہا۔ "اونہہ... کھشتری ذات والے کھشتری ہی رہتے ہیں۔"

مہانندن نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا پھر تعجب سے پوچھا۔ "تم چندر گپت کو کھشتری کہہ رہے ہو۔ جبکہ تم نے بتایا تھا کہ وہ تمہارے بھائی کا بیٹا ہے۔ شاہی خاندان کا فرد ہے...؟"

"ہاں لیکن اس کی ماں کا تعلق کھشتری ذات سے ہے۔"

ان دنوں ہندوؤں میں یہ قانون رائج ہو گیا تھا کہ اولاد کو باپ کے بجائے ماں کی ذات سے پہچانا جاتا تھا۔ اس کی ماں کا نام مورا تھا۔ اسی لیے وہ چندر گپت موریا کے نام سے مشہور ہوا۔

وہ مہانندن سے بری طرح نفرت کرتا تھا۔ اس نے اپنی ماں کی زبان سے سن رکھا تھا کہ وہ ایک حجام کی نسل سے ہے مگر ایک ریاست کے راجا پر بنا کسی ثبوت کے کیچڑ نہیں اچھال سکتا تھا۔ سب ہی اسے نند خاندان کا چشم و چراغ سمجھتے تھے اور پوری طرح مان سمان دیتے تھے۔

چندر کے ایک وفادار ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ اس مصری کسبی کو مہانندن کی خواب گاہ میں پہنچانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ چندر یہ خبر سن کر زیرِ لب مسکراتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

رات گئے جب مہانندن نے خواب گاہ میں قدم رکھا تو بستر کی طرف دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ طوائف زادی چاروں شانے چت پڑی ہوئی تھی۔ اس کی صراحی دار گردن سے لہو بہہ رہا تھا۔ اس نے قریب آ کر اسے دیکھا۔ اس کے گرما گرم وجود میں موت کی ٹھنڈک سرایت کر چکی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر پورے محل میں پھیل گئی۔ سب ہی کو شبہ تھا کہ چندر گپت نے شب خون مارا ہے۔ راجا نے فوراً ہی اسے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ مہانندن غصے سے کھول رہا تھا۔ وہ مصری عورت ہاتھ آتے آتے ریت کی طرح مٹھی سے نکل گئی تھی۔

وہ دربار میں حاضر ہو گیا۔ راجا نے گرج کر پوچھا۔ "چندر! یہ تم نے کیا کیا...؟"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے سر جھکائے کھڑا رہا۔ وہ باغیانہ مزاج کا حامل تھا۔ راج گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود اسے کمتر تصور کیا جاتا تھا۔ راجا نے اس کی خاموشی پر تلملا کر کہا۔ "تمہاری گستاخیاں حد سے بڑھتی جا رہی ہیں۔ تم نے اپنی من مانی کر کے گویا مجھ سے بغاوت کی ہے اور میں باغیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں مگر افسوس! تم پاؤں کی دھول ہونے کے باوجود راج گھرانے سے ہو۔ میں تمہاری سزا میں کمی کرتا ہوں۔ ابھی اسی لمحے میں راج محل سے اور سلطنت مگدھ سے باہر چلے جاؤ۔"

اس نے ایکدم سے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سخت لہجے میں بولا۔ "کل کا سورج ڈوبنے کے بعد تمہاری سلامتی کی ذمہ داری ہم پر نہ ہوگی۔ آئندہ مگدھ کی حدود میں نظر آؤ گے تو میرے سپاہیوں کے ہاتھوں بے موت مارے جاؤ گے۔ جاؤ... جا کر اپنا سامان سمیٹو اور محل سے رفع ہو جاؤ..."

وہ مہانندن کو گھورتا ہوا پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا

گیا۔ جلاوطنی کی سزا بہت کڑی تھی مگر جان کی امان مل گئی۔ یہی کافی تھا۔ اس نے ضرورت کا کچھ سامان اور ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا ایک صندوقچہ اپنے ساتھ لیا اور محل سے نکل گیا۔ ایک بیل گاڑی میں بیٹھ کر دوسرے دن کیرالہ پہنچ گیا۔

اس کے اندر انتقام کی آگ دہک رہی تھی۔ دماغ میں ایک ہی بات گونج رہی تھی۔ "اس سنسار میں مانگنے سے کچھ نہیں ملتا۔ میں نے ایک بھی مانگی مجھے نہیں ملی۔ اسے اٹھا کر مہانندن کی جھولی میں ڈال دیا گیا۔ کیونکہ اس کے پاس طاقت ہے اختیار ہے اور میرے پاس... میرے پاس کچھ بھی نہیں... اونچی ذات کی پہچان بھی نہیں...."

اس کے کانوں میں آنجہانی ماں کی باتیں گونجنے لگیں۔ "ذات اونچی ہو یا نیچی... انسان کی سوچ اور حوصلے بلند ہونے چاہئیں۔ کیا کوئی تصور بھی کرسکتا تھا کہ ایک نائی ذات والا بھی کسی ریاست کا راجا بن بیٹھے گا؟ اونچی سوچ رکھنے والے بلندیوں تک ضرور پہنچتے ہیں میرے بچے... میں بھی تجھے ایسی ہی بلندی پر دیکھنا چاہتی ہوں...."

وہ ایک بوڑھے برگد سے ٹیک لگائے سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ شام کے سائے رات کی تاریکی میں بدل گئے تھے۔ آس پاس دور تک اندھیرا چھا گیا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔ نگاہوں میں مہانندن کا چہرہ گھومنے لگا۔ وہ قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کی جلاوطنی پر جشن منا رہا تھا۔ چندر کے دماغ میں دھواں سا بھرنے لگا۔ ایسے ہی وقت وہ خیالوں میں بھٹکتے بھٹکتے ایک ذرا چونک گیا۔ "کھٹ... کھٹ..." کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ نہ جانے وہ کون تھا؟ ہاتھ میں ایک چھوٹی سی مشعل اٹھائے 'لکڑی کے کھڑاویں پہنے' کھٹ کھٹ کی آواز پیدا کرتا ہوا اس کی طرف چلا آرہا تھا۔ ٹیڑھی میڑھی چال بتا رہی تھی کہ اس کی ٹانگوں میں نقص ہے۔ مشعل کی روشنی کچھ اس زاویے سے پڑ رہی تھی کہ اس کا چہرہ بدنما اور خوفناک سا لگ رہا تھا۔

مندر کے پنڈت اور پجاریوں کی طرح کھوپڑی کے عین وسط میں بالوں کی ایک لمبی سی چوٹی دکھائی دے رہی تھی۔ باقی پورا سر منڈا ہوا تھا۔ چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں۔ اس نے دھوتی پہن رکھی تھی اور بدن کے اوپری حصے کو سفید چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کی رنگت سیاہ تھی۔ گہرے سانولے چہرے پر موٹی موٹی سفید آنکھیں جیسے چندر گپت کو گھور رہی تھیں۔ عجیب پراسرار سا شخص تھا۔ اس کی شخصیت چندر کے حواسوں پر چھانے لگی تھی۔ وہ اس کے سامنے آکر رک گیا۔ چندر گپت اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ اس کے قریب بجھے ہوئے چراغ کو اپنی مشعل سے روشن کرتے ہوئے بولا۔ "دیے سے دیا جلتا ہے... اور دماغ سے دماغ روشن ہوتا ہے...."

رات کے سناٹے میں اس کی گمبھیر سی آواز گونجتی چلی گئی۔ اس کے لب ولہجے میں عجیب سی کشش تھی۔ وہ اس کے سامنے پالتھی مار کر بیٹھ گیا۔ چندر گپت نے ایک نظر اپنے چراغ پر ڈالی پھر اس سے پوچھا۔ "تو کون ہے...؟"

وہ اپنی مشعل کو زمین میں پیوست کرکے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ "میرا نام کوتلیہ چانکیہ ہے۔"

"میرے پاس کیا لینے آیا ہے؟"

"لینے نہیں... دینے آیا ہوں۔"

اس کے حلیے اور پہناوے سے غربت جھلک رہی تھی۔ چندر گپت نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ "بھلا تو مجھے کیا دے سکتا ہے؟"

وہ اس کے چراغ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "میں نے آتے ہی تجھے روشنی دی ہے۔"

اس نے ایک نظر اپنے چراغ پر ڈالی پھر اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بولا۔ "شاہی افراد کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہوتی ہے کہ وہ غور نہیں کرتے۔" اس نے ایک ذرا چونک کر پوچھا۔ "کیا تو مجھے جانتا ہے...؟"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "میں تیرا نام... تیرا مقام تیرا حسب نسب... سب کچھ جانتا ہوں۔"

وہ اسے غور سے دیکھنے لگا۔ کوتلیہ چانکیہ ٹیکسلا سے تعلق رکھنے والا ایک غریب برہمن تھا۔ تقریباً دو ہزار سال پہلے ہندوستان کے عظیم شہر ٹیکسلا میں ایک بدصورت برہمن بچہ پیدا ہوا جو بعد میں ٹیکسلا یونیورسٹی کا مایہ ناز استاد بنا۔ اسے تحصیل علوم وفنون کا شوق گھٹی میں ملا تھا۔ وہ اپنی غربت اور بدصورتی سے دھیان ہٹا کر کتابوں اور استادوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ علم وحکمت اور اپنے دور کے جملہ فنون پر دسترس حاصل کرکے تاریخ کی ایک اہم شخصیت اور فن حکمرانی کا سب سے اعلیٰ معلم بن گیا۔ اس کی شخصیت کے بارے میں مکمل تفصیلات تاریخ میں محفوظ نہیں ہیں لیکن اس کی تعلیمات سے سب ہی آشنا ہیں۔ شاید ہی کوئی علمی شعبہ ایسا ہو جسے اس نے اپنی فکر اور تحقیق سے منور کیا ہو۔ ماضی کے طلسمی ہندوستان کا یہ فرزند کوتلیہ چانکیہ اپنی عالمی شہرت یافتہ کتاب "ارتھ شاستر" کے حوالے سے کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ بدھ مت کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے وقت کا بہت ذہین فلسفی اور قانون دان تھا۔ تینوں ویدوں اور منتروں پر عبور رکھتا تھا۔ شاطرانہ چالوں کا ماہر تھا۔ اس کے علاوہ اپنی جسمانی بدصورتی' نفرت انگیز رنگت اور ٹیڑھی ٹانگوں کی وجہ سے بھی مشہور تھا۔

جین مت اور بدھ مت کی کچھ کہانیوں میں کہا گیا ہے کہ پیدائش کے وقت کوتلیہ چانکیہ کے منہ میں پورے دانت تھے۔ جیوتشی نے اسے دیکھ کر کہا تھا۔ "یہ بچہ مستقبل میں بہت نام کمائے گا۔ دنیا والے اس کی موت کے بعد بھی اسے یاد رکھیں گے۔"

ماں باپ نے خوش ہوکر اپنے بچے کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "مگر یہ دانت...؟"

جیوتشی نے کہا۔ "یہ دانت بادشاہ گر بننے کی علامت ہیں۔"

ماں باپ نے تعجب سے پوچھا۔ "بادشاہ گر کا مطلب کیا ہوا...؟"

اس نے کہا۔ "مطلب یہ کہ کوتلیہ بہت ہی ذہین' حاضر دماغ' بے انتہا چالاک اور بے مثال مکار ہوگا۔ جو اس کے مشوروں کی انگلی تھام کر چلے گا' وہ چھوٹے راجا اور راجا سے مہاراجا بن جائے گا۔"

عین ممکن ہے کہ ایک نومولود بچے کے منہ میں پورے دانت والی بات سچ نہ ہو؟ اس کہانی میں مبالغہ بھی ہوسکتا ہے۔ جین مت اور بدھ مت کی کہانیوں میں کوتلیہ چانکیہ کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے' اس میں سو فیصد نہ سہی... ننانوے فیصد سچائی ضرور ہے۔ بہرحال اس غیر معمولی ذہانت رکھنے والے کوتلیہ نے جیسی زندگی گزاری' اس سے ثابت ہوتا گیا کہ جیوتشی نے درست پیش گوئی کی تھی۔

چندر گپت اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ کوتلیہ بولا۔ "میں جانتا ہوں مگدھ کے راجا نے تمہیں اپنی ریاست سے باہر پھینک دیا ہے۔"

راجا کے ذکر پر چندر کے تیور بگڑ گئے۔ وہ دانت پیس کر بولا۔ "اور میں اس توہین کا بدلہ ضرور لوں گا۔"

"دشمن کو دو ہی طریقوں سے شکست دی جاسکتی ہے۔

ایک... ہتھیار ہے اور دوسری تدبیر ہے...“

وہ ذرا توقف سے بولا۔ ”اور میں دیکھ رہا ہوں تمہارے پاس ہتھیار نہیں ہے۔ دماغ میں بھی انتقام کا دھواں بھرا ہوا ہے۔ اس دھند میں تمہیں صحیح راستہ سجھائی نہیں دے گا۔“

”کیا تو مجھے راستہ دکھانے آیا ہے؟“

”اگر تم دیکھنا چاہو تو...“

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کی باتوں سے اس کی آنکھوں سے ذہانت ٹپک رہی تھی۔ کوتلیہ نے کہا۔ ”ہر انسان کی کوئی نہ کوئی کلپنا ہوتی ہے۔ تم راجا بننا چاہتے ہو اور میں بادشاہ گر...“

اس نے تعجب سے پوچھا۔ ”بادشاہ گر...؟ میں کچھ سمجھا نہیں...؟“

اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بولا۔ ”سمجھانے سے بات سمجھ میں آتی ہے۔ جب میں نے تمہیں کچھ سمجھایا ہی نہیں ہے تو تمہاری سمجھ میں کیا آئے گا؟“

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ ”تم بھنور میں پھنسے ہوئے ہو۔ میں تمہیں کنارے تک پہنچانا چاہتا ہوں۔“

وہ ایسی باتیں کر رہا تھا جو اس کے دل میں تھیں۔ یوں اسے متاثر کر رہا تھا۔ وہ رات بھر اس درخت کے نیچے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس کی صحبت میں وہ اپنے اندر ایک نئی توانائی محسوس کر رہا تھا۔ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ساتھ اس کے دل و دماغ میں جیسے روشنی سی پھیلتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

ہندوستان میں مقدونوی فوج کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ راجا امبھی کے بعد راجا پورس نے بھی شاہ مقدونیہ یعنی سکندر کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اس کی آمد سے ہندوستان کی سرزمین پر بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ نئے شہر آباد ہو رہے تھے۔ پھر وہ ایک سپہ سالار سلیوکس کو اپنا قائم مقام حکمران بنا کر مقدونیہ کی طرف لوٹ گیا تھا۔

ہندوستانی راجا مقدونوی بادشاہ کے زیر اثر آنے کے بعد بھی خوش تھے۔ کیونکہ سکندر کے قائم کردہ نظام کے تحت وہ سب ہی اپنے اپنے علاقوں میں حکومت کر رہے تھے۔ کسی راجا مہاراجا سے اس کا راج پاٹ چھینا نہیں گیا تھا۔ اگرچہ وہ قائم مقام سلیوکس کے باج گزار تھے۔ پھر بھی بڑے مطمئن تھے۔ سلیوکس کی حیثیت حکمران اعلیٰ جیسی تھی۔ کوئی بھی اہم فیصلہ کرنے سے پہلے اس کی رائے ضرور لی جاتی تھی۔ پھر ہندوستان میں یہ دھماکا خیز خبر پہنچی کہ ساری دنیا کو فتح کرنے کا خواب دیکھنے والا سکندر اعظم موت سے لڑتے لڑتے زندگی ہار گیا ہے۔ اس کی ہلاکت کے بعد ہندوستان میں کھلبلی مچ گئی۔ مقدونوی حکومت کا اہم ستون گر چکا تھا۔

سلیوکس سکندر جیسے مختار اعلیٰ کی سرپرستی سے محروم ہوا تو رفتہ رفتہ اس کا اقتدار کمزور پڑنے لگا۔ سب ہی راجے مہاراجے آزادانہ طور پر حکومت کرنا چاہتے تھے مگر مقدونیوں کے آگے سر جھکائے رہتے تھے۔ سکندر کے مرتے ہی ہر طرف سے بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔

اس موقع پر کوتلیہ چانکیہ نے چندر گپت سے کہا۔ ”ہندوستان کی تمام ریاستوں میں غیر ملکی فوج کے خلاف بغاوت ابھر رہی ہے۔ کیرالہ میں بھی باغیوں کی مختلف ٹولیاں احتجاجی جلوس نکالتی پھر رہی ہیں۔ تمہیں اپنے دشمنوں پر حملہ کرنے کے لیے سب سے پہلے ایک مستحکم فوج تیار کرنی ہے۔ یہ اچھا موقع ہے۔ ان باغیوں سے فائدہ اٹھاؤ۔“

”لیکن وہ مقدونیوں کے خلاف ہیں۔ ان کا مہانندن سے کیا لینا دینا...؟“

”تمہارے پاس پیسا ہے مگر طاقت نہیں ہے۔ ہم بکھرے ہوئے باغیوں کو سمیٹ کر ایک علیحدہ فوج تیار کریں گے۔ وہ غیر ملکی حکمران تو گھن کھائی ہوئی لکڑی جیسے ہو کر رہ گئے ہیں لیکن ان کا رعب و دبدبہ ایسا ہے کہ اب تک کوئی راجا ان پر فوج کشی کی ہمت نہیں کر پایا ہے۔ [illegible] گے تو سب ہی باغیوں کے دل میں گھر کر لیں گے۔ پھر وہ مہانندن کے تخت کا تختہ کرنے کے لیے جی جان سے تمہارا ساتھ دیں گے۔“

سلیوکس کے چاروں طرف خطرات منڈلا رہے تھے۔ وہ اپنے فوجیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو کر نئے منصوبوں پر غور کر رہا تھا۔ ہندوستان میں مقدونوی حکومت کو قائم رکھنے کے لیے ہندوستانی راجاؤں کی حمایت ضروری تھی اور اب کوئی اس کی حمایت کرنے والا نہیں رہا تھا۔ اسے اپنے کسی منصوبے پر عمل کرنا نصیب نہ ہوا۔ چندر گپت نے اپنے شاطر اور تیز فہم مشیر کوتلیہ کے مشورے کے مطابق ایک چھوٹی سی فوج منظم کی اور قلعہ بند مقدونوی فوج پر ہلہ بول دیا۔ باغی فوج کا ایک ایک سپاہی دیش بھگتی کے جذبے سے سرشار تھا۔ ان کا ایک ہی نعرہ تھا مر جاؤ یا مار ڈالو... باہر والوں کی غلامی سے دیش کو پاک کرو... ایسے جنونی حملہ آوروں کے سامنے مقدونوی فوج زیادہ دیر ٹھہر نہ سکی۔ جلد ہی ان کے قدم اکھڑنے لگے۔ سیکڑوں فوجی مارے گئے اور جو پکڑے گئے انہیں زنجیریں پہنا کر قید خانوں میں پھینک دیا گیا۔ چندر گپت اس قلعے کو فاتح بن کر لوٹا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اسے اور اس کی فوج کو توقع سے زیادہ پذیرائی مل رہی تھی۔ آس پاس کی ریاستوں کے تمام راجا اس سے مرعوب ہو گئے تھے۔

کوتلیہ نے چندر گپت کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ایسے وقت دوستانہ رویہ اختیار کرے۔ جو بھی راجا اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہے اسے خوش آمدید کہے پھر جب وہ مہانندن پر حملہ کرے گا تو یہ دوستیاں خوب کام آئیں گی۔ اسے ہر طرف سے لشکری امداد ملتی رہے گی۔ چندر گپت نے پوچھا۔ ”لیکن دوسرے راجا میری امداد کر کے مہانندن سے دشمنی کیوں مول لیں گے؟“

وہ بولا۔ ”ڈوبنے والے کو کوئی نہیں پوچھتا۔ سب ہی چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ تم نے غیر ملکی فوج کو شکست دی ہے۔ یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ پورے ہندوستان میں تم زبردست فاتح کی حیثیت سے پہچانے جا رہے ہو۔ سب ہی کہتے ہیں کہ تم جس دشمن کی طرف بھی لپکو گے کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔“

وہ ذرا توقف سے بولا۔ ”جب تم مہانندن پر فوج کشی کرو گے تو سب ہی راجا اس وشواس کے ساتھ تمہاری مدد کریں گے کہ اس حملے کے بعد تم ہی پاٹلی پتر کے راجا کہلاؤ گے۔“

کوتلیہ چانکیہ کے مفید مشورے جیسے قدم بہ قدم اسے کامیابی کی طرف لیے جا رہے تھے۔ دوسری طرف مہانندن عیش و طرب میں ڈوبا ہوا تھا۔ بھنگ پینے کا عادی تھا اور بھنگ کا نشہ ایسا ہوتا ہے کہ جب چڑھتا ہے تو وہ دو چار دنوں تک دماغ پر حاوی رہتا ہے۔ اس کے خاص مشیر سہاون نے کہا۔ ”چندر گپت خطرے کی گھنٹی بجا رہا ہے۔ پورے ہندوستان میں اس کا چرچا ہو رہا ہے۔“

وہ پیالہ خالی کر کے اس میں مزید بھنگ انڈیلتے ہوئے بولا۔ ”اونہہ چندر گپت موریا... وہ سالا ایک مردہ فوج کو شکست دے کر شور مچا رہا ہے۔ ارے یہ ہندوستانی پاگل ہیں... بدھو ہیں۔ مورا ایک داشتہ تھی۔ اس کی اولاد کو سر چڑھا کر اس کی جے جے کار کر رہے ہیں۔“

وہ نشے میں ڈول رہا تھا اور ناگواری سے بول رہا تھا۔ سہاون نے کہا۔ ”ایک اڑتی اڑتی خبر سنی ہے۔“

”کیسی خبر...؟“

وہ ایک ذرا اٹک اٹک کر بولا۔ ”سنا ہے وہ... چندر گپت... پاٹلی پتر پر حملے کے لیے پر تول رہا ہے۔“

وہ پیالے کو ایک طرف پھینکتے ہوئے غرایا۔ ”کیا... کیا کہا تو نے...؟“

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر سر جھکا لیا۔ وہ غصے سے اسے گھور رہا تھا۔ پھر بے ڈھنگے انداز میں قہقہے لگانے لگا۔ سہاون کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ”وہ... وہ سالا چڑی مار... مجھ پر... یعنی مہانندن پر حملہ کرنے کی سوچ رہا ہے...؟ یہ مانا کہ بلی کی شکل اور اس کی حرکتیں شیر سے ملتی ہیں مگر یہ مشابہت بلی کو شیر نہیں بناتی۔ وہ کم ذات غیر ملکی چوہوں پر حملہ کر کے کامیاب ہو سکتا ہے لیکن مہانندن پر...“

وہ نشے میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ”نہ... کبھی نہیں... میں آکاش ہوں۔ مجھے چھونے کے لیے اچھلے گا تو پاؤں تلے سے زمین نکل جائے گی۔“

مہانندن کو اپنی طاقت پر بھروسا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ چندر گپت کو ایک چٹکی میں مسل کر پھینک سکتا ہے۔ لیکن اس دعوے کے باوجود وہ اندر سے چوکنا ہو گیا تھا۔ محل کے چاروں طرف پہرا دینے والے سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ کر رہا تھا۔ سلطنت کی حدود میں داخل ہونے والے چاروں دروازوں پر بھی سپاہیوں کی تعداد بڑھا دی گئی تھی۔ وہ چندر گپت کے حملے کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر تیار ہو گیا تھا۔

چندر گپت نے کوتلیہ سے پوچھا۔ ”تیرا کیا خیال ہے؟“

سوال جواب

ایک آدمی بہت جلدی میں اپنے آفس کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں گر پڑا۔ ابھی اٹھا بھی نہیں تھا کہ اس کے باس کی کال آ گئی۔ اس آدمی نے جیسے ہی موبائل اپنے کان سے لگایا اس کے باس نے چلا کر کہا۔

”کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو؟“

وہ آدمی گلی سے بولا۔ ”میں گرا ہوا ہوں اور ایک گرا ہوا آدمی کیا کر سکتا ہے، یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا!!!“

☆☆☆

باپ بیٹے سے: ”بتاؤ بیٹا کوہ ہمالیہ کہاں ہے؟“

بیٹا: ”معلوم نہیں۔“

دادی اماں جو قریب ہی بیٹھی تھیں فوراً بولیں۔ ”بیٹا اسی لیے تو کہتی ہوں کہ اپنی چیزیں سنبھال کے رکھا کرو۔“

مرسلہ: [illegible] جیلانی طائف سعودی عرب

اب ہمیں مہاتندن پر دھاوا بولنا چاہیے؟“

وہ کیرالہ کے ایک کھلے میدان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ میدان کی نرم مٹی پر کوتلیہ کے کھڑاووں کی ”دھپ دھپ“ ابھر رہی تھی۔ ان ہی کھڑاووں سے جب پختہ فرش پر چلتا تھا تو ”کھٹ کھٹ“ کی آواز گونجتی رہتی تھی۔ اس کی تیز تیز چال میں بڑا ٹھہراؤ ہوتا تھا۔ اس نے ذرا رک کر ایک سمت دیکھا۔ وہاں سے کئی میل دور پاٹلی پتر کی حدود شروع ہو جاتی تھیں۔ کوتلیہ نے کہا۔ ”ریاست کوئی سی بھی ہو‘ ہر جگہ ہمارے ہندو بھائی‘ مائیں‘ بہنیں اور بچے آباد ہیں۔ میں چاہتا ہوں‘ مہاتندن سے ہونے والی جنگ کے دوران خون خرابہ کم سے کم ہو۔“

وہ چلتے ہوئے بولا۔ ”یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ جنگ کا دوسرا نام ہی موت ہے۔“

”تمہارا دشمن ایک ہے لیکن اسے موت کے گھاٹ اتارنے سے پہلے سیکڑوں لاشیں گریں گی۔ ہزاروں افراد معذور ہو جائیں گے۔ فصلیں اور گھر بار جلیں گے۔ یہ دانشمندی نہیں ہے کہ جس پاٹلی پتر پر ہمیں حکومت کرنی ہے اسے تباہی سے دوچار کریں۔ جب تم مہاتندن کو دھکا دے کر راج گدی پر بیٹھو گے تو تمہیں جنگ کے بعد کھڑے ہونے والے ہزاروں مسائل سے دوچار ہونا پڑے گا۔“

”یہ تو ہوتا ہی ہے۔“

”یہی تو نہیں ہونا چاہیے۔“

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ کوتلیہ کی عقابی نگاہیں بہت دور پاٹلی پتر کی طرف بھٹک رہی تھیں۔ وہ بولا۔ ”ہمیں ہتھیار اٹھانے سے پہلے دشمن کی کمزوریوں کو ہاتھ میں لینا ہوگا۔ اپنے مخبروں کو اس کے قریب پہنچانا ہوگا۔“

”میں نے سنا ہے‘ مہاتندن کو ہمارے ارادوں کی بھنک مل گئی ہے۔ اس نے ریاست کے آس پاس پہرا سخت کر دیا ہے۔ ایسے میں ہمارا کوئی مخبر وہاں کیسے قدم رکھ سکتا ہے؟“

”ساری ہندو برادری میں ایک سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ بہت کمزور ہوتا ہے۔ کوئی پنڈت‘ جوگی یا سادھو سنت یہ کہہ دے کہ فلاں پودے پر دھاگا باندھنے سے من کی مرادیں پوری ہوتی ہیں تو ہم سب آنکھ بند کر کے اس پودے کو پوجنے لگتے ہیں۔“

چندر گپت چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ ذرا دیر کے لیے چپ ہوا تو اس نے پوچھا۔ ”لیکن مہاتندن کے تذکرے میں یہ عقیدے کی بات کہاں سے آ گئی؟“

”اصل بات یہیں سے شروع ہوتی ہے۔“

اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔ زیرِ لب مسکرانے لگا۔ فی الحال کوتلیہ کی خاموشی چندر گپت کی سمجھ میں آنے والی نہیں تھی۔ کسی بھی عمارت کو گرانے کے لیے پہلے اس کی بنیادوں کو کمزور کرنا پڑتا ہے اور وہ یہی کرنے والا تھا۔ اس کا مسکراتا ہوا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ مہاتندن کے قدم اکھاڑنے کے لیے کوئی زبردست چال چلنے والا ہے۔

☆☆☆

پاٹلی پتر کی فصیلوں سے ذرا فاصلے پر ایک جوگن گیروے رنگ کا چولا پہنے ہاتھوں میں اور گلے میں موٹے موٹے موتیوں کی مالا ڈالے آسمان کی جانب تک رہی تھی۔ پرارتھنا کرنے کے انداز میں دونوں ہاتھ جوڑ کر پلتھی مارے بیٹھی ہوئی تھی۔ مہاتندن کے مسلح سپاہی اسے بڑی عقیدت سے دیکھ رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ ”یہ کون ہے؟“

دوسرے نے کہا۔ ”کوئی جوگن ہے۔“

دو سپاہی اس کے پاس آئے۔ ایک نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ”اے مائی! تو یہاں کیا کر رہی ہے؟“

اس نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ پھر کہا۔ ”تم سب یہاں فصیلوں پر کیا کر رہے ہو؟“

”ہم پاٹلی پتر کی حفاظت کر رہے ہیں مگر تو کون ہے اور یہاں کیا کر رہی ہے؟“

”جو تم کر رہے ہو وہی میں بھی کر رہی ہوں۔ پاٹلی پتر کے باسیوں کا مقدر مہاتندن سے جڑا ہوا ہے مگر...“

وہ آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولی۔ ”کالی بدلی چھانے والی ہے۔ مہاتندن کی جان کو خطرہ ہے۔ زبردست خطرہ....“

انہوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ بولی۔ ”اوم بھگوان نے مجھے اس خطرے کو ٹالنے کے لیے یہاں بھیجا ہے۔“

ایک نے پوچھا۔ ”تو کہاں کی رہنے والی ہے؟“

”میرا کوئی علاقہ نہیں ہے‘ کوئی زمین نہیں ہے۔ جنگلوں اور ویرانوں میں سنیاس لینے والوں کا کوئی گھر نہیں ہوتا۔“

”تو راجا کے بارے میں کیا کہنا چاہتی ہے؟“

”جو کہوں گی اس کے منہ پر کہوں گی۔“

اسے مہاتندن کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے بولا۔ ”کون ہے تو....؟“

وہ دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔ ”مہاراج کی جے ہو... اس جوگن کو بھاگ متی کہتے ہیں۔“

”میرے محافظوں نے بتایا ہے تو مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے؟“

وہ بولی۔ ”برا دُشٹ سے آ رہا ہے۔ مہاراج کے سر

پر دشمن کی تلواریں لٹکتی دکھائی دے رہی ہیں۔“

وہ ایک ذرا مسکرا کر بولا۔ ”یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ کوئی نئی بات بتا...“

”مہاراج باہر کے دشمنوں پر تو نگاہ رکھتے ہیں مگر گھر کے بھیدیوں سے بے خبر ہیں۔“

اس نے ایک ذرا چونک کر اسے دیکھا۔ ”گھر کے بھیدی...؟“

”ہاں۔ وہی بھیدی جو سانپ کی طرح دودھ پیتے ہیں پھر دودھ پلانے والے کو ڈس لیتے ہیں۔ مہاراج کو ایسے دشمنوں سے بچ کر رہنا چاہیے۔“

وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ متجسس ہو کر بولا۔ ”مگر وہ آستین کے سانپ ہیں کون...؟“

بھاگ متی نے ایک گہری سانس لے کر ادھر ادھر یوں دیکھا‘ جیسے اس کے دشمنوں کو تلاش کر رہی ہو۔ پھر بولی۔ ”آنکھ اوجھل... پہاڑ اوجھل... مگر دشمن کی یہ آنکھ مچولی زیادہ عرصے تک نہیں چل سکے گی۔“

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ جیسے بڑی سوچ بچار کے بعد بولی۔ ”دو چیزیں مہاراج کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ ایک جنگ اور دوسری جنگ...“

یہ سب ہی جانتے تھے کہ مہاتندن شراب سے زیادہ جنگ کا دیوانہ تھا۔ وہ بولا۔ ”جنگ میری کمزوری ہے اور رہی جنگ کی بات تو جب دشمن حملہ کرے گا‘ تب مجھے جوابی کارروائی کرنی ہی پڑے گی۔“

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر آنکھیں کھول کر اس کی پیشانی کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”مہاراج کو جنگ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔“

”یہ تو کیسے کہہ سکتی ہے؟ جبکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں‘ دشمن مجھ پر لشکر کشی کرنے والا ہے۔“

”وہ نہیں کرے گا۔ وہ اپنے مسائل میں الجھا رہے گا۔ اس کے قدم رکے ہوئے ہیں۔ رکے ہی رہیں گے۔ اگر میری پیش گوئی پر وشواس نہ ہو تو اپنے کسی خاص سادھو سنت کو بلا کر تصدیق کرا لے۔“

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر محل کے ایک سادھو کو بلایا گیا۔ وہ مہاتندن کی جنم کنڈلی دیکھنے کے بعد بولا۔ ”مہاراج کے جیون میں فی الحال کوئی جنگی جنم نہیں ہے لیکن ہاں... گھریلو سیاست زبردست نقصان پہنچا سکتی ہے۔“

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بولا۔ ”مہاراج کو بہت ہوشیار رہنا ہوگا۔“

”نئی گاڑی“

ایک مشہور سرجن نے ایک صاحب سے ان کے معمولی آپریشن کے سلسلے میں پانچ لاکھ روپے فیس مانگی‘ تو وہ صاحب حیرت سے بولے۔ ”سرجن صاحب! اتنے روپوں میں ایک بالکل نئی گاڑی خریدی جا سکتی ہے؟“

سرجن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”جناب وہ ہی تو لینی ہے۔“

نارتھ کراچی سے علی رضا خان کی شرارت

اس نے پوچھا۔ ”لیکن یہ گھریلو سیاست کیا ہے؟ کیسے ہوگی؟ اس کا کوئی توڑ اپائے ہوگا؟“

وہ بولا۔ ”کسی بھی قسم کا نشہ مہاراج کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس سے پرہیز کرتے رہنے میں بہتری ہے۔“

وہ اس سے زیادہ نہ بتا سکا۔ لیکن اس کی باتوں سے یہ تصدیق ہو گئی کہ وہ جوگن بہت پہنچی ہوئی ہے۔ لہٰذا اسے بڑے مان مرتبے کے ساتھ محل میں ٹھہرایا گیا۔ مہاتندن کو یہ جاننے کی بے چینی ہو گئی تھی کہ آخر وہ آستین کا سانپ کون ہے‘ جو اسے ڈس لینا چاہتا ہے؟ وہ چاہتا تھا کہ جوگن جلد از جلد اپنی گپت شکتی سے اس دشمن کا سراغ لگائے۔ وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سر جھکاتے ہوئے بولی۔ ”جیسے جنگ مہاراج سے دور ہو گئی ہے‘ ویسے ہی وہ پوشیدہ دشمن بھی بے نقاب ہو جائے گا۔ اس کے لیے مجھے تھوڑا وقت چاہیے۔“

بھاگ متی کو محل کے مندر والے حصے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ لیکن وہ دن بھر شاہی حرم سرا میں بیگمات کے درمیان رہتی تھی اور آدھی رات کے بعد کھلے آسمان تلے آسن مار کر بیٹھ جاتی تھی پھر دوسری صبح پوجا پاٹ کرنے کے بعد حرم سرا میں پہنچ جاتی تھی۔ محل کے سب ہی افراد اس کی پراسرار شخصیت سے متاثر ہو رہے تھے۔ وہ حقیقتاً ایک جوگن ہی تھی۔ لیکن پاٹلی پتر میں چندر گپت کی مخبر بن کر پہنچی ہوئی تھی۔

مہاتندن بھی یہ سوچ نہیں سکتا تھا کہ جس درباری سادھو جیوتشی پر اندھا اعتماد کرتا ہے‘ اسے کوتلیہ کی سیاست پہلے ہی خرید چکی ہے۔ اس سادھو نے وہی باتیں کہی تھیں جو بھاگ متی کہہ چکی تھی۔ ان حالات میں مہاتندن کا الجھنا یقینی ہو گیا تھا۔

بھاگ متی دن بھر رانیوں اور راجکماریوں کے درمیان رہتی تھی۔ ان سے ہر طرح کے موضوع پر گفتگو کرتی تھی۔ اس طرح بہت سی اہم معلومات حاصل کرتی رہتی تھی اور ان معلومات کو کوتلیہ اور چندر گپت تک پہنچانے کا یہ طریقہ اختیار

کیا گیا تھا کہ بھاگ متی تھن تپسیا کا بہانہ کرکے ہر جمعرات کی رات ایک گھنٹے جنگل میں چلی جاتی تھی۔ وہ جنگل کیرالہ اور پالی پتر کے درمیان تھا۔ وہاں رات کے اندھیرے میں کوتلیہ کا مخبر بھاگ متی کے پاس آکر راج محل کی ایک ایک بات معلوم کر لیتا تھا۔ جہانندن نے جوگن سے کہا تھا کہ وہ تنہا اس خطرناک جنگل میں نہ جایا کرے۔ اپنے ساتھ محافظوں کو رکھا کرے مگر اس نے یہ کہہ کر اسے خاموش کر دیا کہ اس محل میں آنے سے پہلے وہ ایسے ہی جنگلوں میں بھٹکتی رہی ہے اور آئندہ بھی بھٹکتی رہے گی۔

یہ تو سب ہی جانتے تھے کہ جہانندن محل میں مجرے کی کوئی محفل منعقد نہیں کرتا تھا۔ لہٰذا راجکماریوں کا دل بہلانے کے لیے حرم سرا کی بہت سی کنیزوں کو رقص و موسیقی کی تربیت دی گئی تھی۔ وہ ہولی دیوالی اور ساون بھادوں کی رم جھم میں ناچ رنگ کی محفلیں خوب جماتی تھیں۔ اس روز جوگن راجا کی سب سے چہیتی رانی لاجوتی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ دوسری راجکماریاں بھی وہاں موجود تھیں۔ لاجوتی نے ایک کنیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جوگن سے کہا۔ ”اس کا نام گائتری ہے۔ اس کم بخت کی آواز بہت سریلی ہے۔“

اس نے اس کنیز کو دیکھا۔ وہ ایک من موہنی صورت والی نازک اندام سی لڑکی تھی۔ اس کے گورے گلابی چہرے پر گہری سیاہ آنکھیں بہت ہی پرکشش لگ رہی تھیں مگر ان آنکھوں سے اداسی جھلک رہی تھی۔ چہرہ بھی بجھا بجھا سا تھا۔ لاجوتی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے گائتری! ہماری مہمان جوگن کو اپنی سریلی آواز میں کوئی بھجن تو سنا دے....“

جوگن محسوس کر رہی تھی کہ گائتری اس کی اس فرمائش پر پریشان ہو گئی ہے۔ وہ گھبرا کر رانی کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے نگاہوں ہی نگاہوں میں انکار کر رہی ہو۔ رانی نے آس پاس بیٹھی ہوئی دوسری مہارانیوں سے کہا۔ ”کیا خیال ہے.... تم سب بھی گائتری کو سننا چاہو گی....؟“

وہ سب ہی منہ دبا کر ہنسنے لگیں۔ ایک نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں ہاں۔ کیوں نہیں.... چل گائتری شروع ہو جا۔“

گائتری نے ہاتھ جوڑ کر انکار میں سر ہلایا۔ جوگن دیکھ رہی تھی ایسے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ رانی لاجوتی نے سخت لہجے میں کہا۔ ”کیا تو ہمارے حکم سے انکار کر رہی ہے؟“

اس نے دوبارہ انکار میں سر ہلایا۔ پھر ایک ہاتھ اپنی گردن پر پھیرتے ہوئے دوسرے ہاتھ کو اس انداز میں ہلایا جیسے گلے میں کسی تکلیف کا اشارہ کر رہی ہو۔ لاجوتی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ”زیادہ نخرے نہ دکھا۔ چل شروع ہو جا....“

سب ہی رانیاں اسے سننے کے لیے بے چین ہو گئیں۔ جوگن اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک رانی سے پوچھا۔ ”یہ رو کیوں رہی ہے؟“

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”ابھی پتا چل جائے گا....“

گائتری نے بے بسی سے سب کو دیکھا۔ پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ بھجن ابھی شروع ہی کیا تھا کہ مہارانیاں قہقہے لگانے لگیں۔ اس کی آواز سن کر جوگن بھی چونک گئی تھی۔ اس نازک سی حسینہ کی ایسی بھدی اور شکستہ سی آواز ہوگی یہ سوچا بھی نہ تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے گلا بیٹھا ہوا ہے۔ وہ بھجن سناتے سناتے چپ ہو گئی۔ سر جھکا کر رونے لگی۔ لاجوتی نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے جوگن سے پوچھا۔ ”کیا تم نے ایسی بے سری آواز پہلے بھی سنی ہے؟“

وہ ذرا الجھ کر بولی۔ ”لیکن تم نے تو کہا تھا اس کی آواز بہت ہی سریلی ہے....؟“

وہ گائتری کو نفرت سے گھورتے ہوئے بولی۔ ”کبھی سریلی تھی مگر اب نہیں رہی۔ غرور نے اس کا سر جھکا دیا ہے۔ ہمارا من جب بھی ہنسنے اور قہقہے لگانے کو کرتا ہے، ہم اسے بلوا لیا کرتے ہیں۔“

پھر اس نے گائتری کو مخاطب کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ ”اے چل اٹھ.... دفع ہو جا یہاں سے۔“

وہ روتی ہوئی وہاں سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ دو روز بعد جوگن کی نظر گائتری پر پڑی۔ وہ باغیچے کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جوگن قریب آکر اسے مخاطب کرنا چاہتی تھی لیکن ذرا رک گئی۔

وہ سر جھکائے اپنی بے سری آواز میں کچھ گنگنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جوگن تھوڑی دیر تک خاموش کھڑی اسے سنتی رہی۔ پھر کھنکارتے ہوئے اس نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ گائتری نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے پوچھا۔ ”یہاں بیٹھ کر کیا گا رہی ہے؟“

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ اس نے پوچھا۔ ”تیری آواز کو کیا ہوا ہے؟“

اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ”مجھے لگتا ہے تیرے دل پر کوئی بوجھ ہے۔ کیا اپنا بوجھ ہلکا کرنا چاہے گی؟“

وہ اٹکتے ہوئے بولی۔ ”تم کسی سے کچھ بولو گی تو نہیں....؟“

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ وہ بولی۔ ”میں ایسی بے سری نہیں تھی۔ یہ سب ایک انتقامی کارروائی کا نتیجہ ہے۔ کسی کے پاس کچھ اچھا ہو تو دنیا والے اسے چین سے جینے نہیں دیتے۔“

”کس دشمن نے تجھ سے انتقام لیا ہے؟“

گائتری نے چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر ایک درخت کی چھاؤں میں آگئی۔ وہاں بیٹھ کر اسے اپنی بپتا سنانے لگی۔ گلے کی خرابی کے باعث پھنسی پھنسی آواز میں کہنے لگی۔ ”میری آواز کا جادو جہانندن پر ایسا چھایا تھا کہ وہ رات کو سونے سے پہلے اور صبح جاگنے کے بعد میرا گانا سنتا تھا۔ بھگوان جانتا ہے، میں اونچے محل میں ضرور رہتی ہوں۔ لیکن کبھی اونچے خواب نہیں دیکھتی۔ راجا کے ایسے رویے سے محل بھر میں چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ میں رانیوں کو کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی تھی۔ رفتہ رفتہ راجا کی بھی نیت بدلنے لگی۔ ایک رات اس نے مجھے زبردستی حاصل کرنا چاہا۔ ایسے وقت لاجوتی خواب گاہ میں آگئی۔ راجا اپنی اس رانی کو بہت چاہتا ہے، اسے بہت مان دیتا ہے۔ کبھی کسی معاملے میں اس کی دل شکنی نہیں کرتا۔ لہٰذا اس رات جو بھی ہوا راجا نے اس کا سارا الزام میرے سر لگا دیا۔ تب رانی نے جل کر کہا تھا، وہ کچھ ایسا کرے گی کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ یوں راجا [illegible] رانی نے مجھے جانے کیسی دوا پلا دی کہ کئی دنوں تک میرا حلق جلتا رہا۔ تب سے میں بے سری ہو کر بولتی ہوں۔ اب سُر میں گانے کے قابل نہیں رہی۔“

وہ افسوس کرتے ہوئے بولی۔ ”تیرے ساتھ تو بہت برا ہوا ہے۔“

وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ ”مجھے ناکردہ گناہ کی سزا ملی ہے۔“

جوگن اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر ذرا بھاری لہجے کی سرگوشی میں بولی۔ ”کیا کبھی تو نے ایسے ظالم راجا اور رانی سے انتقام لینے کی کوشش نہیں کی؟“

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر نظریں چراتے ہوئے کہا۔ ”ہم.... میں تو اس محل کی داسی ہوں۔ بھلا اپنے مالکوں سے کیا انتقام لے سکتی ہوں؟“

اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ”خود بتا دے گی تو اچھا ہے۔ ورنہ آج رات پوجا کروں گی تو تیرے سارے بھید مجھ پر کھل جائیں گے۔ پھر یہ تیرے لیے اچھا نہیں ہوگا۔“

اس نے ذرا سہم کر اسے دیکھا۔ وہ اس کا شانہ تھپکتے ہوئے بولی۔ ”ظلم کے خلاف قدم اٹھانے والے مجھے اور میرے بھگوان کو اچھے لگتے ہیں۔ تو اپنے اندر کی ساری باتیں بول دے۔“

وہ اسے دیکھتی رہی پھر سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔ بولنے سے پہلے ہچکچانے لگی۔ پھر اٹکتے ہوئے بولی۔ ”میں نے بھی اونچے خواب نہیں دیکھے تھے لیکن رانی لاجوتی کا غرور میرے اندر جوالا مکھی بن کر پکارتا رہتا ہے۔ ہم.... میں نے کئی بار اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔“

جوگن اسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بولی۔ ”میری ایک ہی اِچھا (تمنا) ہے اور وہ یہ.... کہ لاجوتی مر جائے اور میں اس کی جگہ رانی بن جاؤں۔“

وہ ذرا ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ ”تیری یہ خواہش بہت اونچی ہے بہت بھٹکی ہے۔“

”وہ آئے دن مجھے ذلیل کرتی رہتی ہے۔ محل کی داسیوں کے سامنے میرا مذاق اڑاتی رہتی ہے۔ اس کی ایسی حرکتوں نے میری خواہش کو ضد بنا دیا ہے۔ میں اپنی ذلت کا بدلہ لینا چاہتی ہوں۔“

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔ ”یہ تو ٹھیک ہے مگر تیرا اصل مجرم تو وہ راجا ہے۔ اس کی ہوس پوری نہ ہو سکی تو اس نے الٹا تجھ پر الزام لگا دیا۔“

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔ ”اس کے لیے بھی دل میں انتقام کی آگ جلتی رہتی ہے مگر وہ نہیں رہے گا تو میں رانی کیسے بنوں گی؟“

جوگن گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ وہ اس سلسلے میں کوتلیہ سے مشورہ کرنا چاہتی تھی۔ دوسرے روز تپسیا کی رات تھی۔ اس نے گائتری سے کہا۔ ”تیرے اس سوال کا جواب پرسوں دوں گی۔ کل میں تپسیا کے لیے جنگل میں جاتی ہوں۔ تیرے لیے بھگوان سے پرارتھنا کروں گی اور چاہوں گی تیری منوکامنا پوری ہو۔“

وہ بڑی عقیدت مندی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”کیا میری آواز واپس آسکتی ہے؟ کیا میں پھر سے گا سکوں گی؟“

”دھیرج رکھ۔ تیرے ہر سوال کا جواب تجھے مل جائے گا۔“

جوگن دوسری رات محل سے چلی گئی۔ جنگل میں ایک مخصوص درخت کے پاس کوتلیہ کا مخبر آیا کرتا تھا۔ اس رات کوتلیہ خود وہاں پہنچ گیا۔ جوگن اسے دیکھتے ہی اس کے قدموں میں جھک گئی۔ گائتری کا تمام واقعہ سنانے لگی۔ پھر بولی۔ ”تو جانا گیانی ہے۔ ہم سے بہتر جانتا ہے۔ کیا وہ داسی ہمارے لیے خاص مہرہ بن سکتی ہے؟“

چاندنی رات میں جنگل دھیما دھیما سا روشن تھا۔ اس نیم اجالے میں کوتلیہ کی بڑی بڑی آنکھیں چمکتی ہوئی سی دکھائی

دے رہی تھیں۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔ ''آخر ہماری محنت رنگ لے ہی آئی۔''

وہ ذرا دیر خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ''میں اس مہرے کو تلوار بنا کر جہاندن کے گلے پر پھیر سکتا ہوں۔''

وہ اسے سمجھانے لگا کہ اس مہرے کو تلوار کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ رات بھر ہی منصوبہ بندی پر غور و فکر کرنے کے بعد صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے ہی وہ دو ریاستوں کی طرف لوٹ گئے۔

گاتری اس سے ملنے کے لیے بے چین تھی۔ وہ دوپہر کو کھانے کے بعد جب تمام رانیاں آرام کرنے اپنی اپنی خواب گاہوں میں چلی گئیں تو وہ دونوں مندر کے پچھلے حصے میں آکر بیٹھ گئیں۔ وہاں انہیں دیکھنے اور ان کی باتیں سننے والا کوئی نہیں تھا۔ جوگن نے کہا۔ ''تیرے بھاگ میں رانی بننا لکھا گیا ہے۔''

اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ ''کیا سچ...؟''

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی۔ ''لیکن پہلے سچ سچ بتا کہ تو جہاندن کو چاہتی ہے یا صرف پاٹلی پتر کی رانی بننا چاہتی ہے؟''

''وہ مجھے زہر لگتا ہے۔ لیکن رانی بننے کے لیے زہر بھی پی لوں گی۔''

''میرے مشوروں پر چلے گی تو رانی بھی بنے گی اور اس زہر کو منہ بھی نہیں لگائے گی۔''

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ بولی۔ ''تیرے لیے یہاں ایک نیا راجا آئے گا اور یہ تو دنیا کا اصول ہے جب نیا آتا ہے تو پرانے کو جانا پڑتا ہے۔''

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اس کا منہ تکنے لگی۔ کسی نئے اور انجانے راجا کے لیے دل دھڑکنے لگا تھا۔ جوگن نے کہا۔ ''راجا کو تخت سے گرانے کے لیے تجھے میرا ساتھ دینا ہوگا۔''

پھر وہ اسے تفصیل سے سمجھانے لگی۔ کام ذرا مشکل تھا مگر جوگن نے حوصلہ بڑھایا تو وہ راضی ہوگئی۔ تمام معاملات طے ہو جانے کے بعد اس نے پوچھا۔ ''اور میری آواز...؟ یہ کیسے اچھی ہوگی؟''

''مجھے افسوس ہے یہ ٹھیک نہیں ہو سکے گی۔''

اس نے ایک ذرا مایوسی سے سر جھکا لیا۔ لیکن مہارانی بننے کی خوشی اور نئے راجا کی کشش ایسی تھی کہ مایوسی جلد ہی دل و دماغ سے ہوا ہوگئی۔

☆☆☆

چندر گپت موریا نے کوتلیہ کے مشورے کے مطابق جنگی سازو سامان اور مختلف ہتھیار جمع کر لیے تھے۔ ان ہتھیاروں میں دس منجنیقیں بھی شامل تھیں۔ اگرچہ جنگ سے کترانے کا ارادہ تھا مگر جہاندن کو اپنی فوج اور ہتھیاروں سے ہراساں کرنا لازمی تھا۔

اس وقت وہ ایک مسند پر بیٹھا ہوا تھا۔ کوتلیہ اس کے سامنے ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ کھڑاؤں سے ''کھٹ کھٹ'' کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ ٹیڑھی ٹانگوں کے باعث اس کا ایک پاؤں کہیں پڑتا تھا اور دوسرا کہیں... لیکن صحیح جگہ پڑتا تھا۔ اس کے قدم اور اس کے ارادے بھی کبھی نہیں لڑکھڑاتے تھے۔

اس نے فوج کے ایک سینا پتی کو وہاں بلا کر حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بھاری لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کرے اور کیرالہ سے نکل کر پاٹلی پتر کی ریاست کو عبور کرتا ہوا مغربی علاقے کے کسی محفوظ مقام پر پڑاؤ ڈالے۔

چندر گپت نے تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ ''ہمی منصوبہ بندی کے مطابق ہمیں کسی بھی وقت پاٹلی پتر پر دھاوا بولنے کے لیے تیار رہنا ہے۔ تو فوج کا ایک بڑا حصہ یہاں سے روانہ کردے گا تو ہم وہاں حملہ کیسے کریں گے؟''

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ پھر بولا۔ ''تو چنتا نہ کر۔ ادھر کیرالہ میں ہمارا ایک لشکر رہے گا۔ ہم دشمن کو دو اطراف سے نرغے میں لیں گے۔''

چندر گپت سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ کوتلیہ کی سوچ [illegible] جیسے وہ پیش آنے والے حالات کا جائزہ لے رہا ہو۔ اس نے کہا۔ ''دشمن پر یلغار کرنے کے لیے سورج کے رخ کو سمجھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ جب ہم اپنے ایک لشکر کے ذریعے پاٹلی پتر پر حملہ کریں گے تو اس سے سورج دشمنوں کے سامنے رہے گا۔ دھوپ اور تیز روشنی کے باعث ان کی آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ ایک طرح سے یہ ان پر قدرتی حملہ ہوگا۔ میدان میں قدم رکھنے سے پہلے جنگی چالبازیوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔''

کوتلیہ کی دوسری حکمت عملی یہ تھی کہ پہلے ایک چھوٹا لشکر کیرالہ سے پاٹلی پتر کی طرف پیش قدمی کرے گا۔ ایسے وقت چندر گپت کا دوسرا بڑا لشکر دشمن کے عقب میں رہے گا۔ جب جنگ چھڑے گی تب دوسری جانب سے وہ بھاری لشکر اچانک ہی نمودار ہوگا۔ اس طرح جہاندن کے سپاہی دو طرفہ حملوں سے پریشان ہو جائیں گے اور ایسے حیران پریشان سپاہیوں کے ہاتھوں سے تلواریں گرانا کچھ مشکل نہ ہوگا۔

کوتلیہ ہر معاملے میں چندر گپت کو متاثر کرتا رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سوالات تو کرتا تھا مگر اس کی کسی حکمت عملی کو یا منصوبہ بندی کو مسترد نہیں کرتا تھا۔ یہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ

اس کا اٹھایا ہوا ہر قدم اسے کامیابیوں کی طرف لے جا رہا ہے۔ حقیقت بھی یہی تھی۔ کوتلیہ جاکہ دشمنوں کے لیے جتنا مکار اور چالاک تھا' چندر گپت کا اتنا ہی وفادار مشیر تھا۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ چندر گپت اس کے کاندھے پر سوار ہو کر راج سنگھاسن تک پہنچنے والا تھا۔

دوسری طرف جوگن کوتلیہ کے مشورے کے مطابق عمل کر رہی تھی۔ وہ گاتری کے ذریعے جہاندن کو بڑی آسانی سے چاروں شانے چت کرسکتی تھی لیکن چندر گپت نے کہا تھا کہ وہ اس کا شکار ہے۔ اسے صرف ہلکان کیا جائے' جان سے مارا نہ جائے۔ لہٰذا وہ یہی کر رہی تھی۔ اس نے ایک شیشی گاتری کو دیتے ہوئے کہا۔ ''کسی بھی طرح اس کے چند قطرے راجا کی بھنگ میں ملا دے۔''

اس نے پوچھا۔ ''اس میں کیا ہے؟''

''اعصابی کمزوری کی دوا ہے۔ آج رات اس کے دماغ پر بھنگ کا نشہ ایسا چڑھے گا کہ پھر نہیں اترے گا۔''

اس نے ذرا خوفزدہ ہو کر کہا۔ ''کسی نے دیکھ لیا تو...؟''

''تجھے بہت محتاط رہنا ہوگا۔''

گاتری نے وہ شیشی اپنے گریبان میں چھپا لی اور مناسب موقع کا انتظار کرنے لگی۔ جوگن کی تنبیہ کے باوجود جہاندن بھنگ سے [illegible] دوسری تیسری رات اپنے وفادار ساتھیوں کے ساتھ رقص و سرور میں ڈوب جاتا تھا۔

اس رات بھی محل کے اس مخصوص کمرے میں بھنگ تیار کی جارہی تھی۔ طرح طرح کے خشک میوے کوٹے اور پیسے جا رہے تھے۔ ہاون دستے کی آواز دور تک گونج جارہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی گھنگروؤں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ گھنگرو بھنگ بنانے والے کی ایک کلائی پر بندھے رہتے تھے۔ وہ جیسے جیسے بھنگ کو پیستا رہتا تھا' ویسے ویسے گھنگرو بجتے رہتے تھے۔

باورچی نے ایک داسی کو دودھ سے بھرا ہوا برتن دیتے ہوئے کہا۔ ''بھنگ کے لیے دودھ کی ضرورت ہے۔ یہ وہاں دے آ...''

وہ داسی دودھ کا برتن اٹھا کر اس طرف جانے لگی۔ ایسے وقت گاتری نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ ''اے سن! کہاں جارہی ہے؟''

''وہاں بھنگ تیار ہو رہی ہے۔ دودھ دینے جا رہی ہوں۔''

''لیکن تجھے تو جوگن نے ابھی اسی وقت بلایا ہے۔ وہ مندر کی سیڑھیوں پر تیرا انتظار کر رہی ہے۔''

محل میں جوگن کو اتنا مان سمان دیا جاتا تھا کہ اس کی ایک آواز پر داسیاں دوڑی چلی آتی تھیں۔ گاتری نے کہا۔

''لا یہ دودھ مجھے دے۔ میں پہنچا دیتی ہوں...''

وہ داسی فوراً ہی برتن اسے تھما کر مندر کی طرف چلی گئی۔

گاتری نے موقع دیکھتے ہی گریبان سے وہ شیشی نکالی اور اس میں سے چند قطرے دودھ میں ٹپکا دیے۔ پھر اسے بھنگ تیار کرنے والے کے پاس پہنچا دیا۔

جہاندن رات بھر اس نشیلی بھنگ میں ڈوبتا' ابھرتا رہا۔ پھر ایسا ڈوبا کہ دوبارہ ابھر نہ سکا۔ دماغی کمزوری نے اسے پچھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ دوا کی تاثیر خطرناک تھی۔ اس کے اثر سے بینائی بھی دھندلا گئی تھی۔ وہ قریب آنے والوں کو پہچان نہیں پا رہا تھا۔ دوسری طرف اس کے مشیر سہادون کا حال بھی اس سے الگ نہ تھا۔ وہ بھی بستر کا ہو کر رہ گیا تھا۔ راج محل میں شاہی طبیب راجا کا معائنہ کر رہا تھا۔ جوگن سرہانے بیٹھی مالا جپ رہی تھی۔ اس کا ہاتھ تھام کر [illegible] سے بولی۔ ''ٹھوکر کھانے سے پہلے اپنی غلطیاں سمجھ میں نہیں آتیں۔ میں نے مہاراج کو پہلے ہی سا بدھان کیا تھا کہ اسے بھنگ سے دور رہنا چاہیے۔''

وہ نیم غنودگی میں تھا۔ دماغ ایسا کمزور ہوا تھا کہ قریب بیٹھ کر بولنے والوں کی باتیں بھی سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔ شاہی طبیب نے کہا۔ ''بھنگ کی زیادتی نے یہ رنگ دکھایا ہے۔ میں دماغی توانائی کی دوائیں دوں گا۔ مہاراج کی طبیعت رفتہ رفتہ بحال ہوتی جائے گی اور بینائی کی کمزوری بھی دور ہو جائے گی۔''

جوگن کی ایک اور اہم پیش گوئی درست ثابت ہو رہی تھی۔ راجا واقعی بھنگ پینے کے نتیجے میں نقصان اٹھا رہا تھا۔ ایسے میں اس جوگن کا مان اور بڑھ گیا تھا۔ شاہی طبیب جہاندن کے لیے مفید دوائیں تیار کر رہا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ دوائیں راجا کو صحت یاب کرتیں۔ پاٹلی پتر میں یہ سنسنی خیز خبر پھیل گئی کہ چندر گپت کا لشکر ان کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ راجا اور اس کا مشیر خاص دونوں ہی بستر کے ہو کر رہ گئے تھے۔ ایسے میں دشمن کی پیش قدمی نے جہاندن کے سینا پتی کو پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔

اس نے جوگن سے رائے مشورے کیے۔ وہ بولی۔ ''میرا کہا مانو گے تو جیت تمہارا مقدر بنے گی۔''

وہ بولا۔ ''مجھے وشواس ہے اس اندھیرے میں تمہارا ہر مشورہ روشنی بن کر ہمیں راستہ دکھائے گا۔''

''تم عسکری چالبازیوں کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو پھر بھی میرا مشورہ ہے کہ تمام سپاہیوں کو سامنے فصیلوں پر مستعد کرو۔ دشمن پیچھے سے بھی حملہ کرسکتا ہے۔ اس لیے...''

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے مستحکم لہجے میں بولی۔ "وہ پیچھے سے حملہ نہیں کرے گا۔"

اس کے لہجے میں ایسا رعب اور استحکام تھا کہ سپاہی کوئی اعتراض نہ کر سکا۔ سب ہی اس بات کا اعتراف کرتے اور دیکھتے آئے تھے کہ وہ جوگن بہت پہنچی ہوئی ہے' جو بھی پیش گوئی کرتی ہے' وہ درست ثابت ہوتی ہے۔ راجا کی بیماری اس سلسلے کا سب سے بڑا ثبوت تھا۔ ان تمام حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے سپاہی نے وہی کیا جو اس جوگن نے کہا تھا۔

مہانندن کی کمزوری نے فوج کو پہلے ہی کمزور بنا ڈالا تھا۔ انہوں نے مورچے سنبھال رکھے تھے۔ جنگجو سپاہی دشمن کو منہ توڑ جواب دینے کے لیے اپنی اپنی جگہ مستعد تھے۔ لیکن حکمران کی غیر موجودگی میں حوصلے ذرا پست ہو رہے تھے۔

چندر گپت کی فوج نے صبح ہوتے ہی دشمنوں پر دھاوا بول دیا۔ مہانندن کے تمام سپاہی ایک ہی فصیل پر جمع ہو کر حملہ آور فوج سے نبرد آزما ہونے لگے۔ ریاست کی عقبی فصیلیں محافظوں سے خالی تھیں۔ لہٰذا جب چندر گپت کے لشکر جرار نے پیچھے سے حملہ کیا تو قلعے میں داخل ہوتے وقت ایک ذرا دقت پیش نہ آئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہو گیا' جو مہانندن کے سپاہیوں کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ سب نے ہتھیار ڈال دیے۔ کوتلیہ نے جو دعویٰ کیا تھا' وہی ہوا۔ پاٹلی پتر کی پرجا محفوظ رہی۔ ایک بچے کو بھی زخم نہیں آیا اور کسی خون خرابے کے بغیر چندر گپت موریا راج سنگھاسن تک پہنچ گیا۔ چندر گپت کو مہانندن کی تلاش تھی۔ وہ ہاتھ میں ننگی تلوار اٹھائے اس کی خواب گاہ میں پہنچا۔ تمام راجکماریاں سہمی ہوئی ایک طرف کھڑی تھیں۔ چندر گپت نے شاہانہ چھپر کھٹ کی طرف دیکھا۔ مہانندن بستر پر لیٹا' آنکھیں سکیڑ کر اسے ایسے دیکھ رہا تھا' جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ جوگن اس کے سرہانے کھڑی ہوئی تھی۔ چندر گپت نے آگے بڑھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔ "واہ ری قسمت... ایسے کیسے شہزوروں کو اٹھا کر پٹخ دیتی ہے؟"

وہ اس کے قریب پہنچ کر بولا۔ "کیوں مہانندن! کیا اپنے دشمن کو پہچان نہیں پا رہا ہے؟"

وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے اپنی پیشانی کو سہلاتے ہوئے بولا۔ "تو چندر...؟"

وہ اس پر جھکتے ہوئے بولا۔ "ہاں' غور سے دیکھ لے... میں چندر گپت موریا ہوں۔ تیری وجہ سے مجھے جلاوطن کیا گیا اور اب میں شامت بن کر تیرے سر پر پہنچ گیا ہوں۔"

وہ سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "وہ مصری طوائف یاد ہے نا...؟ وہ تیرے لیے ایک عورت تھی مگر میری ضد بن گئی تھی۔ جو مانگنے سے نہ ملے' اسے چھین لیا جاتا ہے۔ میں نے بھی پاٹلی پتر کی تمنا نہیں کی تھی لیکن اس عورت کی چھینا جھپٹی میں آج یہ ریاست بھی تیرے ہاتھ سے گئی۔"

مہانندن کا ذہن دھندلایا ہوا تھا۔ اس دھند میں چندر گپت کا چہرہ مٹا مٹا سا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود اپنے دشمن کو واضح طور پر دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ آخری وقت اتنا ہی دیکھ پایا کہ ایک تلوار سر سے بلند ہوئی تھی پھر سر رہا نہ سوچ رہی... چندر گپت نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ کوتلیہ اکثر ہی اسے سیاسی اور حکومتی چالبازیوں کے بارے میں سمجھاتا رہا تھا۔

ایک بار اس نے کہا تھا۔ "میری دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنا... ایک یہ کہ اپنے دشمن کو کبھی بے بس اور مجبور سمجھ کر معاف نہ کرنا۔ دوسری یہ کہ دشمن ہاتھ لگ جائے تو فوراً موت کے گھاٹ اتار دینا۔"

چندر گپت نے بھی کیا تھا۔ اسے جہنم رسید کر کے خواب گاہ سے نکل آیا تھا۔ تمام رانیاں دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔ وہ چندر گپت سے بری طرح خوفزدہ تھیں۔ سب کے دماغوں میں ایک ہی سوال گونج رہا تھا۔ وہ [illegible] حکمران بن جانے ان پر کیسے مظالم ڈھانے والا ہے؟

اس نے رانیوں کے بارے میں کوتلیہ سے مشورہ کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ انہیں اپنے حرم سرا میں جگہ دے مگر کوتلیہ نے کہا۔ "کبھی جھوٹے برتن کو منہ نہیں لگانا چاہیے۔ ایسے برتنوں کو غریبوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دینا چاہیے۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ "ان چار رانیوں کا بیاہ نیچ ذات والوں سے کر دیا جائے۔ اس طرح انہیں گھر بھی مل جائیں گے اور شوہر بھی..."

کوتلیہ کے مشورے کے مطابق مہانندن کے فوجیوں کو قیدی بنانے کے بجائے ان کی تنخواہیں مقرر کر کے انہیں چندر گپت کے لشکر میں شامل کر لیا گیا تھا۔ رعایا خوفزدہ تھی کہ نیا آنے والا حکمران ان سے آبائی زمینیں چھین سکتا ہے۔ ان کی کھڑی فصلوں پر قبضہ جما سکتا ہے۔ عوام الناس کے دل و دماغ سے ایسی دہشت مٹا کر انہیں نئے حکمران کا حامی بنانا ضروری تھا۔

کوتلیہ کے مشورے کے مطابق یہ اعلان کیا گیا کہ حکومت کی تبدیلی عام شہریوں پر اثرانداز نہیں ہوگی۔ ان پر کوئی ظلم و جبر نہیں کیا جائے گا۔ کسی کی چھوٹی سے چھوٹی اور

بوں سے بڑی جاگیر ضبط نہیں کی جائے گی۔ سرکاری ملازمین کی ملازمتیں بحال رکھی جائیں گی اور جو بے روزگار ہیں انہیں روزگار فراہم کیا جائے گا۔ نئے حکمران کے ایسے مثبت رویے نے جلد ہی پاٹلی پتر میں اس کی دھاک بٹھا دی۔ رعایا اس کے گن گانے لگی۔ کوتلیہ چانکیہ جیسے مشیر کے مفید مشورے اسے کہیں سے کہیں پہنچا رہے تھے۔ چندر گپت نے کہا۔ ”تیری صورت میں مجھے ایسا بھگوان نظر آتا ہے جو میرے بھاگ میں عروج ہی عروج لکھتا چلا جا رہا ہے۔ میں تیری عقل سے مٹی کو چھوتا ہوں تو وہ سونا بن جاتی ہے۔“

کوتلیہ سنجیدگی سے مسکرا رہا تھا۔ اس کے سامنے ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ اس بڑے سے کمرے میں کھڑاؤں کی ”کھٹ کھٹ“ گونج رہی تھی۔ اس کی وہ ”کھٹ کھٹ“ چندر گپت کے لیے جیسے کامیابی کے کسی نئے دروازے پر دستک ثابت ہوتی تھی۔

اس نے ایک جگہ رک کر کہا۔ ”کامیابیوں کی دھن میں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہر عروج کے بعد زوال آتا ہے۔“

چندر گپت نے ذرا ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ ”یہ حقیقت ہے لیکن کامیابی کی خوشی فاتح کو ایسی باتیں سوچنے اور سمجھنے کا موقع نہیں دیتی۔ وہ اپنے دشمن کی جلتی ہوئی چتا سے عبرت حاصل کرنے اور اس کی غلطیوں پر غور کرنے کے بجائے جشن مناتا رہتا ہے۔ یہ غلطی تم نہ کرنا۔ دشمن کے زوال سے کمال حاصل ہوتا ہے اور یہ کمال اس وقت تک برقرار رہتا ہے جب تک زوال سے سبق حاصل ہوتا رہے۔“

وہ پھر دائیں سے بائیں ٹہلنے لگا۔ کمرے میں ایک بار پھر ”کھٹ کھٹ...“ کی آواز گونجنے لگی۔ وہ ٹہلتے ہوئے بولنے لگا۔ ”زوال آئے... مگر اپنے وقت پر آئے۔ جس طرح موت اپنے مقررہ وقت پر آتی ہے۔ تمہیں بھی طبعی عمر جینا ہے... اور اس عمر کی آخری سانسوں تک حکومت کرتے رہنا ہے۔ یاد رکھو! تمہارے مال و زر سے تمہاری طاقت سے حکومت قائم نہیں رہے گی۔ صرف حکمت سے قائم رہے گی۔“

ایسے وقت جوگن نے وہاں آ کر کہا۔ ”کیا پاٹلی پتر کا نیا راجا آج ہونے والی مہارانی سے ملنا چاہے گا؟“

کوتلیہ پہلے ہی چندر گپت سے کاگری کا ذکر کر چکا تھا۔ اس داسی کے تعاون نے مہانندن کو اعصابی کمزوری میں مبتلا کر کے بستر پر پہنچا دیا تھا۔ کچھ انتقامی جذبہ تھا اور کچھ مہارانی بننے کی خواہش بھی تھی۔ وہ چندر گپت کے لیے کامیابی کی سیڑھی بن گئی تھی۔ وہ جنگ سے پہلے اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ کوتلیہ نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اسے وعدے کے مطابق اس داسی سے بیاہ کرنا ہوگا۔ لیکن مفتوحہ ریاست کی مصروفیات ایسی تھیں کہ وہ فی الحال اسے بھول گیا تھا۔ جوگن نے اس کا ذکر کیا تو وہ اسے دیکھنے کے لیے چل گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ ہاتھ جوڑے، سر جھکائے اس کے سامنے حاضر ہوئی۔ کوتلیہ نے کہا۔ ”مہانندن سے چھینی گئی ریاست کے بعد یہ کاگری تمہارے لیے بہت اہم ہے۔“

چندر گپت سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ کوتلیہ نے کہا۔ ”یہ اپنے کٹھن ارادوں کو بھی پورا کرنے کی شکتی رکھتی ہے۔ یہ تمہاری بہترین جیون ساتھی ثابت ہوگی۔“

وہ چندر گپت کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی تو نہیں تھی لیکن پہلی محبت ثابت ہو رہی تھی۔ وعدے کے مطابق تاج پوشی کے موقع پر انہیں شادی کے بندھن میں باندھ دیا گیا۔

جو سوچا وہ ہو جائے... جس کی تمنا کرو وہ مل جائے... ایسی خوش بختی بخت والوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ وہ دونوں ہی خوش نصیب تھے۔ سہاگ کی پہلی رات تھی۔ چندر گپت اپنی خوشیوں میں مگن تھا۔ نئی دلہن کا گھونگٹ اٹھا رہا تھا۔ کاگری کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے سوچنے لگی۔ ”میرے خوابوں کو منزل مل رہی ہے۔ آج رات میں اس کے من کی رانی ہوں گی اور اس رات کی صبح مجھے [illegible] ہونے لگی۔“

وہ [illegible] ہی وقت [illegible] گی۔ چندر گپت گھونگٹ اٹھاتے اٹھاتے رک گیا تھا۔ کاگری نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اگرچہ سراپا گھونگٹ میں چھپی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود اس کی سوالیہ نظریں پوچھ رہی تھیں۔ ”کیا ہوا؟ رک کیوں گئے؟ کیا میری خوشیوں کو کسی دشمن کی نظر لگ گئی ہے؟“

قبول کرنے والا قریب آتے آتے رک جائے تو سیکڑوں وسوسے گھیر لیتے ہیں۔ اس ایک پل میں کاگری بھی نہ جانے کیسے کیسے اندیشوں میں مبتلا ہوگئی تھی۔ چندر گپت نے کہا۔ ”کوتلیہ چانکیہ میرا مشیر خاص ہے۔ میں اسے اپنا گرو مانتا ہوں۔ وہ جو کہتا ہے وہی کرتا ہوں۔ اس کے ہر فیصلے کو آنکھ بند کر کے قبول کرتا ہوں۔ تم یہ کھٹ کھٹ کی آواز سن رہی ہو؟“

توجہ دلانے پر وہ غور سے سننے لگی۔ خواب گاہ کے باہر چبوترے پر کھڑاؤں بج رہے تھے۔ چندر گپت نے کہا۔ ”وہ جب بھی کچھ سمجھانا چاہتا ہے مجھے اس کھٹ کھٹ کے ذریعے اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔“

وہ دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”جب تک

اپنے گرو سے کوئی نیا سبق حاصل نہیں کروں گا جب تک یہ گھونگٹ نہیں اٹھاؤں گا...“

وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کاگری گھونگٹ میں چھپی ہوئی ادھر دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے سہاگن بنانے سے پہلے ہی لوٹ گیا تھا۔ سہاگ کی رات لوگ دنیا کا سارا سبق بھول جاتے ہیں۔ کیونکہ دلہن نیا سبق پڑھانے آجاتی ہے لیکن وہ اسے بھول کر اپنے گرو کے پاس چلا گیا تھا۔

کوتلیہ چانکیہ کا ایک پاؤں ادھر اور دوسرا پاؤں ادھر پڑ رہا تھا۔ ”کھٹ کھٹ کھٹاک...“

وہ چندر گپت کو دیکھ کر رک گیا۔ اس نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟ تو یہاں...؟“

وہ خواب گاہ کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”دشمن کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ وہ مخالف کو پچھاڑنے کے لیے کوئی بھی روپ اختیار کر لیتا ہے۔“

وہ کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ کوتلیہ نے کہا۔ ”تاریخ گواہ ہے عورت دشمن کا سب سے بڑا ہتھیار ثابت ہوتی رہی ہے۔ راجا بھدر سین پر اس کے اپنے بھائی ویرسین نے اسی کی رانی کے تعاون سے شب خون مارا تھا۔ بادشاہ کورش کے سگے بیٹے نے اپنی ماں کی شہ پر باپ کو تخت سے گرا دیا تھا۔“

وہ بولتے بولتے چپ ہوگیا۔ ذرا توقف سے بولا۔ ”تریا چلتر کے آگے حکمران اوندھے منہ گر پڑتے ہیں۔ راجا بھرد واج کو اس کی رانی نے زہر میں بجھی ہوئی پازیب سے ہلاک کیا تھا۔ کاشی کو اس کی بیٹی نے چاولوں میں زہر ملا کر دے دیا تھا اور سوویر کی رانی نے زہر میں ڈوبے ہوئے تکیے کی مدد سے اپنے پتی کو ہلاک کیا تھا۔“

چندر گپت گہری سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ خاموش ہو کر ٹہلنے لگا۔ اس کی خاموشی کھڑاؤں کی زبان سے بولتی رہتی تھی پھر وہ ایک جگہ رک کر بولا۔ ”مہانندن کا تازہ ترین تجربہ تمہارے سامنے ہے۔ میں نے کاگری کی آنکھیں اور اس کا چہرہ پڑھا ہے۔ وہ تمہیں دھوکا نہیں دے گی۔ اسے من چاہی مرادیں مل رہی ہیں لیکن کوئی نئی طلب، کوئی نئی کھچاک اور کیسے جوان ہو جاتی ہے انسان کو پتا نہیں چلتا۔“

وہ قریب آ کر اس کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔ ”تجھے محتاط رہنا ہوگا۔“

کوتلیہ چانکیہ کی عورتوں کے بارے میں ایسی مدلل معلومات چندر گپت کو حیران بھی کر رہی تھی اور یہ سوچنے پر مجبور بھی کر رہی تھیں کہ واقعی چار دیواری میں رہنے والی عورت کتنی طاقتور ہوتی ہے۔ اس کا چھل اس کا فریب تب سمجھ میں آتا ہے جب پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔ چندر گپت نے طے کر لیا وہ گھر کے پانی کو اونچا نہیں ہونے دے گا۔

کوتلیہ نے کہا۔ ”تم دلہن کے زیور نہیں اتارو گے۔ نہ ہونٹوں سے، نہ دانتوں سے، نہ ہاتھوں سے... مستی میں آ کر زیور کو نہیں چھوؤ گے۔ داسیوں کو حکم دو، وہ دلہن کے زیور اتاریں گی۔“

اس نے اپنے گرو کے مشوروں پر عمل کیا۔ اس کے بعد دلہن کی خواب گاہ میں گیا۔ وہ جو اس کا وزیر تھا، مشیر تھا اور گرو تھا، فہم و فراست میں اپنی مثال آپ تھا۔ چندر گپت اس کی سرپرستی میں بڑے بڑے شہ زوروں کو شکست دیتا رہا اور اپنی فتوحات کے ڈنکے بجاتا رہا۔ کوتلیہ نے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے معاملات کے لیے بہترین قوانین رائج کیے۔ یہ تمام قوانین اس کی شہرۂ آفاق کتاب ”ارتھ شاستر“ میں درج ہیں۔

رانیوں کے حوالے سے اس نے راجا کو سمجھایا تھا کہ وہ حرم سرا کی خواتین کو سر منڈے اور گندھے ہوئے بالوں والے سادھوؤں، سنتوں، مسخروں اور رنڈیوں سے ملنے کی ہرگز اجازت نہ دے۔ کیونکہ دشمن ایسے ہی مخبروں کے ذریعے راج محلوں کی کمزوریاں معلوم کرتے ہیں۔ عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں۔ لہٰذا باہر سے آنے والے ان کے اندر کی باتیں بڑی آسانی سے اگلوا لیتے ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ کسی بھی راجا کی آدھی کامیابی اپنی رانی کی طرف سے محتاط رہنے میں پوشیدہ رہتی ہے اور حقیقت بھی یہی تھی۔

کوتلیہ نے یہ قانون بنایا تھا کہ زر خرید داشتہ ہو یا راج محل کی مہارانی... راجا کی خواب گاہ میں جانے سے پہلے ایک با اعتماد داسی اس کا معائنہ کرے گی، اس کی جامہ تلاشی لے گی پھر مکمل اطمینان کے بعد اسے راجا کے پاس بھیجا جائے گا۔ اس کی ذات سے راجا کو ایک ذرا بھی گزند پہنچے گا تو اس کی ذمہ دار وہ داسی ہوگی۔ یہ ایسی حکمت عملی تھی کہ کوئی بھی داسی اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت نہیں برتتی تھی۔

کوتلیہ نے سختی سے حکم دیا تھا کہ کھانے پینے کی کوئی چیز خواب گاہ میں نہیں رکھی جائے گی۔ راجا کو چاہیے کہ جب تک خلوت میں رہے، ہر طرح کی خوراک سے اجتناب کرتا رہے۔

یہ ایسے قابل قبول اور حکمت سے بھرپور قوانین تھے کہ راجا چندر گپت کسی چون و چرا کے بغیر ان پر عمل کرتا رہتا تھا۔ اس نے جب سے راج سنگھاسن سنبھالا تھا تب سے

کوتلیہ اپنے ساتھ ایک مینا رکھا کرتا تھا۔ کھانے کے دوران بھی وہ مینا اس کے ساتھ رہتی تھی۔ وہ اس کا چھوٹا سا پنجرہ دسترخوان کے عین وسط میں رکھ دیا کرتا تھا۔ چونکہ اس کے ہر فعل میں کوئی نہ کوئی حکمت چھپی ہوئی تھی۔ لہٰذا چندر گپت نے بھی اعتراض نہیں کیا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا۔ راجا اور کوتلیہ کھانے کے لیے دسترخوان پر آکر بیٹھے۔ حسبِ معمول وہ مینا بھی ان کے ساتھ تھی۔ پانچ داسیاں گرما گرم پکوان لاکر ان کے سامنے رکھ رہی تھیں۔ ایسے ہی وقت وہ مینا شور مچانے لگی۔ کوتلیہ نے ذرا چونک کر گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اپنے چھوٹے سے پنجرے میں بڑی بے چینی سے پھڑپھڑا رہی تھی۔ چندر گپت نے مسکرا کر پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟ آج تیری مینا بہت شور مچا رہی ہے؟“

کوتلیہ کی موٹی موٹی آنکھیں اس وقت سامنے سجے ہوئے پکوانوں پر جمی ہوئی تھیں۔ چندر گپت نے سالن نکالنے کی غرض سے ایک برتن کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو کوتلیہ نے فوراً ہی اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ اس نے ذرا ٹھٹک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا پھر اپنا ہاتھ پیچھے کرلیا۔ خدمت گزار داسیاں ہاتھ باندھے سر جھکائے آس پاس کھڑی ہوئی تھیں۔ کوتلیہ نے کہا۔ ”باورچی کو بلاؤ۔“

حکم کی تعمیل کی گئی۔ باورچی فوراً ہی دوڑتا ہوا آکر ان کے سامنے حاضر ہوگیا۔ کوتلیہ دسترخوان سے اٹھ گیا تھا۔ چندر گپت نے بھی اس کی تقلید کی۔ کوتلیہ نے ان پانچ داسیوں اور باورچی سے کہا۔ ”میری ودیا کہتی ہے اگر یہ شاہی کھانا ہم سے پہلے ہمارے ملازم کھائیں گے تو راجا چندر گپت کو بے مثال عروج اور کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں گی۔“

سب ہی نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس نے حکم دینے کے انداز میں ان داسیوں اور باورچی سے کہا۔ ”اس دسترخوان پر بیٹھ کر شاہی کھانا کھاؤ اور راجا کے لیے پرارتھنا کرو۔ آج تمہاری دعائیں قبول ہونے کا دن ہے۔“

کوتلیہ کا کوئی بھی حکم بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ وہ داسیاں اور باورچی اس کے حکم کے مطابق ذرا جھجکتے ہوئے دسترخوان پر آگئے۔ اس کی گہری گھورتی ہوئی نگاہیں جیسے ایک ایک کے چہرے کو پڑھ رہی تھیں۔ کھانا شروع کرنے کے لیے کوتلیہ کے حکم کا انتظار تھا۔ چندر گپت ایک جگہ بیٹھ کر یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ ایسے وقت کوتلیہ کی نگاہیں ایک داسی پر جم گئیں۔ وہ کچھ بے چین اور پریشان سی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔ ”میں کھانا نہیں کھا سکتی۔“

کوتلیہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ”کیوں نہیں کھا سکتی؟“

داسی نے ایک نظر راجا پر ڈالی پھر سر جھکا کر کہا۔ ”میں نے مہاراج ادھیراج کی لمبی عمر کے لیے برت رکھا ہے۔ چاند دیکھنے سے پہلے پانی کا ایک قطرہ بھی حلق سے نہیں اتاروں گی۔“

کوتلیہ نے اس کے قریب آکر کہا۔ ”تو پھر جان لے... تیری منت قبول ہوگئی ہے۔ تو یہ کھانا کھائے گی تو ہمارے مہاراج ادھیراج کو لمبی عمر ضرور ملے گی۔“

وہ کھانے سے ذرا دور ہوگئی۔ کوتلیہ اس کے بالوں کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیتے ہوئے غرایا۔ ”سالی کتیا... جس تھالی میں کھاتی ہے اسی میں چھید کر رہی تھی؟“

اس نے شدید حقارت سے اسے ایک طرف دھکا دیا۔ وہ روتی بلبلاتی ہوئی فرش پر گر پڑی۔ وہ قریب آکر اسے ٹھوکریں مارنے لگا۔ لکڑی کے کھڑاؤں کی ضربیں ایسی تھیں کہ وہ تکلیف کی شدت سے دوہری ہوئی جا رہی تھی۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافیاں مانگ رہی تھی۔ التجائیں کر رہی تھی۔ کوتلیہ نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ ”اس کمینی کو اٹھا کر کال کوٹھری میں پھینک دو۔“

دو سپاہیوں نے فوراً ہی آکر اسے دونوں طرف سے پکڑ لیا۔ پھر اسے گھسیٹتے ہوئے وہاں سے لے گئے۔ چندر گپت نے تعجب سے پوچھا۔ ”آخر اس داسی کا قصور کیا تھا؟ اس نے میری سلامتی کے لیے برت رکھا ہے اور تو نے اسے کال کوٹھری میں پہنچا دیا؟“

اس نے داسیوں اور باورچی کو وہاں سے جانے کا حکم دیا۔ پھر دسترخوان پر چنے ہوئے پرتکلف کھانے کی طرف دیکھتے ہوئے راجا سے کہا۔ ”اس کم ذات نے تمہاری نہیں... اپنی سلامتی کے لیے برت رکھنے کا بہانہ کیا تھا۔“

وہ اپنی مینا کے پنجرے کو اٹھا کر چندر گپت کے سامنے آتے ہوئے بولا۔ ”تم بھی غیر ضروری سوال نہیں کرتے لیکن تمہاری آنکھیں ہمیشہ پوچھتی رہتی تھیں کہ میں اس مینا کو اپنے ساتھ کیوں رکھتا ہوں؟... تو سنو آج میں بتاتا ہوں...“

”کھٹ کھٹ کھٹ“ وہ ٹہلتا ہوا ذرا دور گیا۔ پھر پلٹ کر اس کی طرف آتے ہوئے بولا۔ ”اگر یہ مینا نہ ہوتی تو آج ہم کھانے کے بجائے بہت بڑا دھوکا کھا کر مرچکے ہوتے۔“

وہ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ ذرا توقف سے بولا۔ ”مینا بالا ماری چڑیا اور طوطے زہر کی بو سونگھتے ہی شور مچانے لگتے ہیں۔“

چندر گپت کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے شدید حیرانی سے دسترخوان کی طرف دیکھا۔ کوتلیہ نے کہا۔ ”اس

عمدہ پکوان میں زہر ملایا گیا ہے۔“

وہ غصے سے گرج کر بولا۔ ”میں اس داسی کی کھال کھنچوا لوں گا۔ اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”میں اسے یہ کھانا کھلا کر ابھی اسی وقت موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ اس کی جوتی اسی کا سر ہوتا مگر اسے زندہ رکھنا ضروری ہے۔“

”کھٹ کھٹ کھٹ...“ وہ ٹہلتا ہوا ذرا دور گیا۔ اس کی ٹیڑھی میڑھی چال میں غضب کا اعتماد ہوتا تھا۔ چندر گپت غصے سے پہلو بدل رہا تھا۔ اگر وہ داسی اس وقت اس کے سامنے ہوتی تو شاید وہ تلوار کے ایک ہی وار سے اس کی گردن اڑا دیتا۔

کوتلیہ نے کہا۔ ”ایک معمولی داسی ایسی دشمنی نہیں کرسکتی۔ ہم اسے ختم کر کے گویا اصل دشمن تک پہنچنے کا راستہ ختم کر دیں گے۔“

”وہ دشمن کون ہوسکتا ہے؟“

”یہی جاننے کے لیے ابھی تک حرامزادی کو زندہ چھوڑا ہے۔“

وہ دونوں کال کوٹھری میں آئے۔ وہ ایک کونے میں سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ چندر گپت اور کوتلیہ کو دیکھتے ہی ان کے قدموں میں گرتے ہوئے بولی۔ ”مجھے شما کردو... مجھ سے بڑی بھول ہوئی ہے۔ پکوان کے لیے مجھے شما کردو۔“

کوتلیہ نے اسے دھتکارتے ہوئے کہا۔ ”یہ بھول نہیں سازش ہے۔“

پھر وہ جھک کر اسے بالوں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے غرایا۔ ”بول... کس کے کہنے پر تو نے اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے؟“

وہ تکلیف سے روتے ہوئے بولی۔ ”میری مت ماری گئی تھی۔ گاتری کا عروج دیکھ کر جلتی کڑھتی رہتی تھی۔ اس لیے... اس لیے...“

کوتلیہ نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے جا کر فرش پر گر پڑی۔ طمانچہ ایسا زوردار تھا کہ اس کے ہونٹ پھٹ گئے تھے۔ باچھوں سے لہو رسنے لگا تھا۔ کوتلیہ اپنی چاروں انگلیوں میں چاندی کی موٹی موٹی انگوٹھیاں پہنے رہتا تھا۔ داسی کے چہرے پر ان انگوٹھیوں کے واضح نشان دکھائی دے رہے تھے۔ چندر گپت نے گرج کر کہا۔ ”یہ آسانی سے نہیں اگلے گی۔ اذیت ناک سزائیں اس کا منہ کھولیں گی۔“

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قدموں سے لپٹتے ہوئے بولی۔ ”نہیں مہاراج... میں مرنا نہیں چاہتی۔ مم... مجھے شما کردو۔“

وہ ایک ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ ”یہاں تجھے موت نہیں ملے گی۔ موت سے بھی بدتر زندگی ملتی رہے گی۔“

کوتلیہ نے کہا۔ ”اگر سلامتی چاہتی ہے۔ اپنے پتی اور بچوں کے ساتھ خوشحال زندگی گزارنا چاہتی ہے تو سچ اگل دے۔ ورنہ غداری کا انجام بہت ہی عبرتناک ہوگا۔ اس دشمن کو تو ہم ڈھونڈ ہی لیں گے مگر تو بے موت ماری جائے گی۔“

اس نے پہلے کوتلیہ کو اور پھر چندر گپت کو دیکھا۔ کانوں میں معصوم بچوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ وہ اسے پکار رہے تھے۔ اس کی ممتا تڑپ گئی۔ چندر گپت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے بولی۔ ”مگدھ کے راجا نے مجھے مہرہ بنایا تھا۔ وہ... وہ مہاراج کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوفزدہ ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ رہا ہے کہ تم پاٹلی پتر پر قدم جمانے کے بعد اسے ضرور نشانہ بناؤ گے۔“

مگدھ کے حکمران نے ”آ بیل مجھے مار“ والی حرکت کی تھی۔ چندر گپت اپنی آبائی ریاست پر دھاوا نہیں بولنا چاہتا تھا۔ کوتلیہ کی رائے کے مطابق آئندہ وہاں کے راجا سے دوستی اور اتحاد قائم کرنے والا تھا مگر اس کی جان لیوا دشمنی نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ چند دنوں کے اندر ہی اس نے بھرپور تیاری کے ساتھ مگدھ پر چڑھائی کردی۔

اس دوران چندر گپت کے حوالے سے گہری رازداری برتی گئی تھی۔ کوتلیہ یہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ مگدھ کا راجا چندر گپت کی ہلاکت کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین ہے۔ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کی اچانک ناگہانی موت سے پاٹلی پتر میں ہلچل مچ جائے گی۔ لیکن کوتلیہ کی حکمت عملی نے اس دشمن راجا کو الجھا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ پاٹلی پتر پر مکمل سکوت چھایا ہوا ہے۔ اسے کسی ذریعے سے یہ معلومات حاصل نہیں ہو رہی تھیں کہ وہاں راج محل میں حالات کیا ہیں؟ اس داسی نے یقین دلایا تھا کہ وہ مطلوبہ وقت پر چندر گپت کا کام تمام کردے گی۔ اس نے بھی اب تک کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔

مگدھ کے راجا نے بے چین ہو کر اپنا ایک مخبر پاٹلی پتر کی طرف روانہ کیا۔ اس نے دوسرے ہی روز آکر یہ اطلاع دی کہ راج محل کی فضا خلافِ توقع پُرسکون ہے۔ وہاں بس ایک ہی بات گردش کر رہی ہے کہ راجا چندر گپت اچانک کہیں چلا گیا ہے۔ راج محل کے ملازمین اور دیگر اہم افراد اس سلسلے میں انجان ہیں۔ راجا کی غیر موجودگی میں حکومتی انتظامات کوتلیہ چانکیہ سنبھال رہا ہے۔

ایسی معلومات نے اسے مزید الجھا دیا۔ اس نے داسی کے بارے میں پوچھا۔ مخبر نے کہا۔ ”وہاں کی داسیوں اور حرم سرا

میں رہنے والی کنیزوں کو کسی اجنبی سے ملنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔"

اس سے پہلے کہ وہ کوتلیہ کی چالبازیوں کو سمجھ پاتا، چندر گپت نے اچانک ہی اس پر دھاوا بول دیا۔ وہ اس غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بے خبری میں مارا گیا۔ کوتلیہ کی ذہانت اور اس کی وفاداریوں نے چندر گپت کو اتنا متاثر کیا تھا کہ وہ مگدھ کی فتح کے بعد پاٹلی پتر کے حکومتی انتظامات اس کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ "تمہارا بڑا پن ہے جو مجھے ایسا اونچا مقام دینا چاہتے ہو لیکن تم نے فیصلہ کرتے ہوئے اس کے منفی اور مثبت پہلوؤں پر غور نہیں کیا۔"

وہ نیز بھی میری ٹانگوں سے قریب آتے ہوئے بولا۔ "میں پاٹلی پتر میں تمہارا نائب ہی سہی... مگر وہاں کا حاکم کہلاؤں گا اور یہ تم اچھی طرح جانتے ہو، کوئی بھی حکمران دوسرے حکمران کا عروج دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ حکومت آدھی ملے تو پوری پر قبضہ جمانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ راج گدی پر بیٹھتے ہی دماغ بدل جاتا ہے، سوچنے کا انداز بدل جاتا ہے۔ اقتدار کی ہوس بڑی ظالم ہوتی ہے۔ سگے رشتوں کو پانی کر دیتی ہے۔ میں تو پھر غیر ہوں..."

وہ بولتے بولتے ذرا چپ ہوا پھر بولا۔ "میں اپنی وفاداریوں پر کوئی داغ نہیں لگانا چاہتا۔ تمہاری پشت پناہی میرا مقصد حیات بن گئی ہے۔ مجھے میرے مقصد پر ڈٹا رہنے دو۔"

کوتلیہ کی باتیں ایسی ٹھوس اور مدلل تھیں کہ چندر گپت نے کوئی حجت نہیں کی۔ وہ اس جیسے وفادار اور قابل مشیر کو کسی بھی بہانے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اگر راج گدی پر بیٹھ کر اس کے دل میں اقتدار کا لالچ جاگ اٹھتا تو چندر گپت کی حکومت چٹکیوں میں اڑ جاتی۔

کوتلیہ کی باتوں نے سمجھا دیا کہ وہ آئندہ کسی بھی نائب پر بھروسا نہ کرے۔ عورت اور حکومت بے وفائی دکھانے میں دیر نہیں لگاتی۔ انہیں اپنے ہاتھوں میں رکھنے کے لیے بڑی حکمت عملی سے کام لینا پڑتا ہے۔

کوتلیہ نے ایسا زبردست نظام قائم کیا جس کے باعث چندر گپت ایک ہی وقت میں دو ریاستوں پر جم کر حکمرانی کرنے لگا۔

اس داسی کی غداری نے راجا کو چوکنا کر دیا تھا۔ اس نے کوتلیہ سے کہا۔ "اس کم بخت نے محل کے سب ہی ملازموں کو مشتبہ بنا دیا ہے۔ یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نہ جانے کون سازشی کس ملازم کے ذریعے میری شہ رگ تک پہنچنے والا ہے؟"

کوتلیہ نے کہا۔ "جنگل میں ہزاروں لاکھوں سانپ ہوتے ہیں۔ انہیں ایک ہی وقت میں ہلاک نہیں کیا جا سکتا۔ پہلے خود کو محفوظ کیا جاتا ہے تاکہ حملہ کرنے والا منہ کی کھائے اور ایک ہی وار میں چاروں شانے چت ہو جائے۔"

"کھٹ کھٹ کھٹ..." وہ حسب عادت ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے بولنے لگا۔ "مگدھ کے راجا نے اپنے طور پر بڑی زبردست چال چلی تھی لیکن ناکام رہا۔"

اس نے قائل ہونے کے انداز میں سر ہلایا۔ بے شک کوتلیہ کی غضب کی ذہانت اسے موت سے زندگی کی طرف کھینچ لائی تھی۔ اس واقعہ کے بعد کوتلیہ نے یہ اصول قائم کیا تھا کہ راجا کوئی بھی چیز کھانے سے پہلے اسے چیل کوؤں کے پالتو کتے کے آگے ڈالا کرے گا۔ اگر پرندے گر کر مرنے لگیں اور جانور کھانے کے بعد کمزور اور بیمار نظر آنے لگیں تو فوراً سمجھ لیا جائے کہ کھانے میں مضر رساں ادویات کی یا زہر کی آمیزش کی گئی ہے۔

اس حوالے سے کوتلیہ چانکیہ کا تجربہ کس قدر وسیع تھا اس کا اندازہ اس کی کتاب ارتھ شاستر کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ اس کتاب میں وہ زہریلے کھانے کی پہچان کے لیے کئی نشانیاں بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "راجا کھانے سے پہلے خوراک کا کچھ حصہ آگ میں ڈالے۔ اگر آگ میں سے چٹخنے کی آوازیں اور شعلے اور دھویں کا رنگ نیلا ہو جائے تو سمجھ لیا جائے کہ کھانے میں زہر ملایا گیا ہے۔ شراب میں پانی میں سرخ دھاریاں سی نظر آئیں۔ دودھ میں کچھ نیلاہٹ سی محسوس ہو۔ دہی میں کالے دھبے نظر آئیں۔ خشک غذا اکڑی ہوئی اور عجیب رنگت کی لگے۔ کھانے کے قریب پتنگے وغیرہ مرتے ہوئے دکھائی دیں تو فوراً سمجھ لو کہ زہر کا اثر ہے۔"

ان حکایات سے پتا چلتا ہے کہ کوتلیہ چانکیہ صرف ماہر فلسفی اور قانون داں ہی نہیں تھا بلکہ اپنے وقت کا بہترین سراغ رساں بھی تھا۔ اس زمانے کے لوگ پوسٹ مارٹم جیسی جدید تکنیک سے نابلد تھے۔ یہ پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ غیر طبعی موت مرنے والا کسی سازش کا شکار ہوا ہے؟ اسے کس دشمن نے کس طریقے سے موت کے گھاٹ اتارا ہے؟

کوتلیہ چانکیہ کی کھوپڑی میں علم و حکمت کا خزانہ بھرا ہوا تھا۔ وہ مقتول کی لاش کا گہرا مشاہدہ کر کے یہ بتا دیتا تھا کہ اسے کس ہتھیار سے یا زہریلی خوراک کے ذریعے قتل کیا گیا ہے؟ وہ ایسے واقعات کی جانچ پڑتال کرتا ہوا قاتل کی شہ رگ تک پہنچ جاتا تھا۔

ایک روز اس نے چندر گپت سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں تمہارے آس پاس ایسے جاں نثار اور وفادار ملازم رہا کریں جن کی وفاداری ہر طرح کے شک و شبہات سے پاک ہو۔ وہ تمہاری جان بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہ کریں۔"

چندر گپت نے مسکرا کر سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "تم جیسا وفادار اور مخلص ساتھی کوئی دوسرا ہے نہ ہوگا۔"

"ایسے وفادار ابھی کم نہیں ہیں لیکن ڈھونڈنے سے مل جائیں گے۔"

پھر اس نے ذرا سوچ کر کہا۔ "تمہارے قریب وزیروں، مشیروں اور پروہتوں کی بھیڑ نہ لگے۔ محل کے درباری ہوں اور ان کی وفاداری پر ذرا بھی شبہ نہ ہو۔"

لہٰذا ان کی وفاداریوں کو آزمانے کے لیے کوتلیہ نے انہیں ایک خفیہ آزمائش سے گزارا اور اس سلسلے میں اس نے چندر گپت کے ایک قابل اعتماد پروہت کو مہرہ بنایا۔ اس پر غداری کا الزام عائد کرتے ہوئے اسے برطرف کر دیا گیا لیکن درپردہ وہ بدستور اپنے عہدے پر قائم تھا۔ صرف دکھاوے کے لیے اسے برطرف کیا گیا تھا۔

تب اس پروہت نے کوتلیہ کے مشورے کے مطابق عمل کرنا شروع کیا۔ وہ محل کے دو وزیروں کے پاس جا کر راجا کی مخالفت کرنے لگا اور انہیں اس کے خلاف اکساتے ہوئے کہا۔ "چندر گپت راج سنگھاسن پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہے۔"

ایک وزیر نے کہا۔ "اس نے تجھے برطرف کیا ہے۔ اس لیے تو اس کے خلاف زہر اگلتا پھر رہا ہے۔"

وہ ایک ہاتھ جھٹک کر بولا۔ "میں ہی کیا... تم بھی اگلو گے۔ آج مجھے محل سے بے دخل کیا گیا۔ کل تمہاری باری آئے گی اور ضرور آئے گی۔"

وہ دونوں اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ بولا۔ "مجھے کیا دیکھتے ہو؟ اپنی ملازمتیں بچانا چاہتے ہو تو ایسا وقت آنے سے پہلے چندر گپت کو راج گدی سے ہٹا دو۔ ہم کسی نئے راجا کو تخت پر بٹھائیں گے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟"

ایک وزیر نے برہم ہو کر کہا۔ "تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہم تیری بکواس سننے کے لیے یہاں جمع نہیں ہوئے ہیں۔"

دوسرے نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "یہ ہماری بھلائی کے لیے بول رہا ہے۔ تم گرمی کیوں دکھا رہے ہو؟"

وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔ "راجا کی مخالفت میں ہماری بھلائی نہیں ہو سکتی۔ یہ غدار ہے اور ہمیں بھی وہی سبق پڑھا رہا ہے۔"

پھر وہ پروہت کو تنبیہ کرنے کے انداز میں بولا۔ "ابھی تو صرف محل سے نکالا گیا ہے۔ اگر اسی طرح لوگوں کو راجا کے خلاف اکساتا پھرے گا تو میں تجھے اس ریاست سے باہر پھنکوا دوں گا۔"

وہ اسے گھورتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ پروہت نے کوتلیہ کو یہ تمام احوال سنایا تو اسے یہ فیصلہ کرنے میں مشکل پیش نہ آئی کہ راجا کے لیے کون سا وزیر بہتر ہے؟ اس واقعے کے بعد دوسرے وزیر کو اس کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ اس کے بدلتے ہوئے تیوروں نے سمجھا دیا تھا کہ وہ راجا کے لیے خطرناک ہے۔ آئندہ کسی اور دشمن کے اکسانے پر راجا کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتا ہے۔

کوتلیہ نے اسی طرح فوج کے سپاہیوں کو بھی خفیہ آزمائش سے گزارا۔ اس کی ایسی حکمت عملیوں کے خاطر خواہ نتائج حاصل ہو رہے تھے۔ کردار شناسی کے امتحانات کے بعد چندر گپت کے آس پاس وزیروں، مشیروں اور دیگر سرکاری افراد کی تعداد کم تو ہو گئی تھی لیکن یہ پورا اطمینان تھا کہ وہ جتنے بھی ہیں اس کے لیے مخلص اور وفادار ہیں۔

☆☆☆

چندر گپت اپنے گرو کے ہر چھوٹے بڑے مشورے کو دل سے قبول کرتا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ اس کے پیچھے چلنے میں ہی کامیابی ہے۔

کوتلیہ کا کہنا تھا "عورت جونک کی طرح ہوتی ہے۔ لہو چوستی رہتی ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اس سے دامن بچاتے رہنا چاہیے۔" اس نے مشورہ دیا تھا کہ راجا کو اپنی رانی کے پاس مہینے میں صرف دو بار جانا چاہیے۔ اس پر چندر گپت نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا تھا۔ "تیرا ہر مشورہ میرے لیے حرف آخر کی طرح ہوتا ہے مگر... نفس پر قابو پانا بہت مشکل ہو جائے گا۔"

وہ اس کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ کمرے میں کھڑاؤں کی جانی پہچانی "کھٹ کھٹ کھٹ..." گونج رہی تھی۔ وہ ٹہلتے ہوئے بولا۔ "یہ نفس... ایک بھوت کی طرح ہوتا ہے۔ اس بھوت کو آزاد رکھا جائے تو انسان نقصان اٹھاتا ہے۔ اسے قابو میں رکھا جائے تو فائدے ہی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ خلوت میں ہو یا جلوت میں... ایک راجا کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے حواس کو اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔"

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ "انسان کے چھ بڑے دشمن ہوتے ہیں۔ اگر وہ انہیں زیر کرنے میں کامیاب ہو جائے تو سمجھو سارا جہاں اس کے قدموں میں جھک جائے گا۔"

ایسے وقت چندر گپت کسی شاگرد کی طرح اس کے سامنے بیٹھا رہتا تھا اور وہ استاد بن کر علم و حکمت کے خزانے اس کے دماغ میں منتقل کرتا رہتا تھا۔ اس نے کہا۔ "ہوس، غصہ، لالچ، انا

تکبر اور احمقانہ بہادری... یہی وہ چھ دشمن ہیں۔
سننے، سونگھنے، چکھنے، دیکھنے اور چھونے سے جو لطف حاصل ہوتا ہے اس سے بے نیاز ہو جانا حواس پر قابو پانا کہلاتا ہے۔ جو حکمران اس کے برخلاف عمل کرتا ہے۔ حواس کے بے لگام گھوڑے کو لگام ڈالنے کا اہل ثابت نہیں ہوتا۔ وہ جلد تباہ ہو جاتا ہے۔"

کوتلیہ نے چندر گپت کو کبھی کوئی بات سرسری انداز میں نہیں سمجھائی۔ وہ ہمیشہ مثالوں کے ذریعے سمجھاتا تھا۔ مختلف راجاؤں کے واقعات بیان کرتے ہوئے اسے اس بات پر مائل کرتا تھا کہ جو غلطیاں پچھلے حکمرانوں نے کیں، چندر گپت ان کے تجربوں سے سبق حاصل کرتا رہے۔ کسی بھی غلطی سے قبل از وقت دامن بچا کر دشمنوں کے لیے ناقابل تسخیر بن جائے۔

اس وقت بھی وہ اسے ماضی کا آئینہ دکھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "راجا بھوج بڑا زبردست حکمران گزرا ہے مگر عورت کی ہوس میں اندھا ہو کر راج پاٹ سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اسی طرح ریاست ودھاس کا راجا کیرال اپنی ہی بے وقوفی کے باعث تباہ ہوا۔ جنم جایا احمقانہ بہادری دکھاتے ہوئے برہمنوں پر تشدد کر بیٹھا تھا۔"

اس نے سر جھٹک کر کہا۔ "راجا دریودھن کے بارے میں تو سب ہی جانتے ہیں۔ اسے اس کے لالچ نے ڈبویا۔ اگر وہ مصلحتاً اپنی سلطنت کا ایک حصہ الگ کر دیتا تو حکمرانی اس کی آئندہ نسلوں تک چلتی رہتی۔ راجا بھودھ بھاوا اور راجا ارجن دونوں ہی مغرور اور گھمنڈی حکمران تھے۔ وہ اپنے تکبر کی وجہ سے تباہ ہوئے۔"

کہتے کہتے... وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے بولنے لگا۔ "حواس پر قابو نہ رکھنے والے حاکم ایسی ہی تباہیوں اور بربادیوں کی تاریخ رقم کرتے رہے ہیں۔ اور جو راجا ہوس، غصہ، لالچ، انا، تکبر اور احمقانہ بہادری جیسے چھ دشمنوں کو پچھاڑتے رہے، اپنے حواسوں کو اپنی ذہانت سے قابو میں کرتے رہے، وہ ایک عرصے تک اپنی حکمرانی کا ڈنکا بجاتے رہے۔ راجا جام داگنی اور بھاگا کے بیٹے راجا امبارش اس کی روشن مثال ہیں۔ وہ ایک طویل عرصے تک اس زمین پر حکمران رہے ہیں۔"

چندر گپت نے ایک گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ اس کی خاموشی کہہ رہی تھی کہ سبق کا مرحلہ ختم ہو گیا ہے۔ اب شاگرد عمل کے دور سے گزر رہا ہے۔ وہ اندر ہی اندر یہ عزم کر رہا تھا کہ ان چھ دشمنوں کو اپنے آپ پر کبھی حاوی نہیں ہونے دے گا۔ بلکہ راجا جام داگنی اور امبارش کی طرح ان دشمنوں کو پچھاڑتے ہوئے عروج کی بلندیوں کو چھوتا رہے گا۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ ضبط نفس سے کام لیتے ہوئے وہ مہینے میں دو بار رتی کی خواب گاہ میں جایا کرے گا۔

گاتری نے اس فیصلے کی تردید کرتے ہوئے کہا۔ "ہوس کا جذبہ غیر عورتوں کے لیے ہوتا ہے۔ میں تمہاری دھرم پتنی ہوں۔ جب ہمارا دھرم ہمیں دن رات ایک ساتھ رہنے کی اجازت دیتا ہے تو پھر یہ پابندی کیوں؟"

"کامیاب حکمران وہی ہوتا ہے جو پہلے اپنی ذات کو کڑے امتحان سے گزارتا ہے۔"

"یہ امتحان نہیں۔ ظلم ہے۔"

"تم نادان ہو۔ اس کی حکمت عملیوں کو کبھی نہیں پاؤ گی۔"

پھر وہ ذرا توقف سے بولا۔ "کوتلیہ چانکیہ کو سمجھنے میں مجھے ایک عرصہ لگ گیا ہے۔ وہ علم و حکمت کا ایسا سمندر ہے جس میں اترنے اور ڈوبنے کے باوجود میں اب تک اس کی تہ کو چھو نہیں پایا ہوں۔"

کوتلیہ نے اپنی تمام تر ذہانت اور علمی صلاحیتیں جیسے چندر گپت کے نام کر دی تھیں۔ اس کا دل اس کا دماغ صرف اپنے راجا کی بہتری کے بارے میں سوچتا تھا، غور کرتا تھا۔

وہ کہتا تھا۔ "ریاست چلانے کے لیے دھوکے بازیاں، مکاریاں، بھرمار ذہانت اور ظلم و تشدد لازمی ہے۔"

اس نے امور سلطنت کے لیے اپنے قوانین مرتب کیے جو پہلے کبھی رائج نہیں تھے۔ اس سلسلے میں اس نے ارتھ شاستر نامی کتاب لکھی۔ یہ کتاب تاریخی لحاظ سے بین الاقوامی شہرت کی حامل ہے۔

وہ جادو ٹونے ٹوٹکوں پر بھی یقین رکھتا تھا۔ اس نے مذکورہ کتاب میں طرح طرح کے جادوئی کرتب بیان کیے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف قسم کے زہر اور ایسے مرکبات کی تیاری بھی بیان کی ہے جن کے ذریعے دشمنوں کو شدید نقصانات سے دوچار کیا جا سکتا ہے یا بوقت ضرورت ان زہریلے مرکبات کے ذریعے انہیں ہلاک اور معذور بھی بنایا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں دماغ کو مفلوج کر دینے والے خطرناک کیمیکلز کا بھی ذکر ملتا ہے۔

کوتلیہ نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایسی آگ جلائی تھی جو کبھی نہیں بجھتی تھی۔ لوگ اسے مقدس آگ مان کر اس کی پوجا کرنے لگے تھے۔ چندر گپت نے کہا۔ "گرو...! تو ضرور جادو ٹونا جانتا ہے۔"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "جانتا ہوں مگر یہ مسلسل بھڑکتی ہوئی آگ کسی جادو ٹونے ٹوٹکے کا نتیجہ نہیں ہے۔"

وہ اپنی پیشانی کو ایک انگلی سے بجاتے ہوئے بولا۔ "یہ عقل کا جادو ہے۔ ذہانت کے سحر کا کوئی توڑ نہیں ہوتا۔ جب تک میں نہیں سمجھاؤں گا، کوئی سمجھ نہیں پائے گا کہ یہ آگ دن رات کیسے بھڑکتی رہتی ہے؟"

پھر اس نے چندر گپت کو بتایا کہ آسمانی بجلی گرنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے کوئلے کو ایسی لکڑی سے سلگایا جائے جو بجلی گرنے سے جلی ہو تو وہ آگ کبھی نہیں بجھتی۔ پہاڑ پر دن رات جلنے والی آگ کو کوتلیہ نے اسی ترکیب سے روشن رکھا تھا۔

بعض اوقات جنگی مہمات کے سلسلے میں چندر گپت اور اس کی فوج کو ایسے ایسے جنگل بیابانوں اور لق و دق صحراؤں سے گزرنا پڑتا تھا جہاں دور دور تک خوراک اور پانی کے وسائل دکھائی نہیں دیتے تھے۔ فاقہ کشی کی آفت سے محفوظ رہنے کے لیے ان کے ساتھ خوراک کا ایک بڑا ذخیرہ رہتا تھا۔

بھاری ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ یہ اضافی سامان نقل مکانی کے دوران کئی طرح کے مصائب پیدا کرتا تھا۔ اکثر یہی ہوتا تھا کہ فوج کو آگے بڑھاتے رہنے کے لیے چندر گپت کو مجبوراً اس ذخیرے کا ایک بڑا حصہ ضائع کر دینا پڑتا تھا۔ اس طرح بوجھ تو کم ہو جاتا تھا مگر کئی دنوں تک جاری رہنے والی مہم کے دوران رفتہ رفتہ فاقہ کشی کی نوبت آ جاتی تھی۔ اس نے کوتلیہ سے کہا۔ "گرو...! کوئی ایسی تدبیر کرو کہ فوجیوں کو خوراک کا بوجھ بھی اٹھانا نہ پڑے اور فاقہ کشی کی نوبت بھی نہ آئے۔"

تب کوتلیہ نے اپنے راجا کی الجھن کو سلجھانے کے لیے اپنی ذہانت کو آزمایا اور کئی نسخے تیار کر کے ان مشکلات پر قابو پایا۔

اور فوجیوں کو طویل سفر کی تھکان سے بچانے کے لیے بڑ کے پتوں اور اونٹ کے چمڑے کو گدھے کی چربی میں تر کر کے خاص جوتے تیار کروائے گئے۔

پھر اس نے دشمن کو دھوکے میں ڈالنے اور اسے مرعوب کرنے کے لیے عجیب و غریب کرشمے ایجاد کیے۔

ایک موقع پر اس نے راجا کے حریف سے کہا۔ "ہم جنگ نہیں کرنا چاہتے مگر یہ چاہتے ہیں کہ تم راجا چندر گپت کے باج گزار بن جاؤ اور ریاست کی باگ ڈور اس کے حوالے کر دو۔"

وہ تن کر بولا۔ "ایسا تو میری موت کے بعد ہی ممکن ہے۔ ہمت ہے تو آؤ... جنگ کرو۔ میرے جنگجو سپاہی تمہارے فوجیوں کو کیڑوں مکوڑوں کی طرح مسل کر رکھ دیں گے۔"

اور یہ حقیقت تھی۔ اس کی فوجی قوت کو دیکھ کر کوتلیہ نے جنگ سے پہلے ہی یہ جان لیا تھا کہ انہیں شکست دینا آسان نہ ہوگا۔ ایسے وقت اس نے کوئی آزمودہ ترکیب اختیار کرنے کے بجائے ایک عجیب و غریب کرشمے کا سہارا لیا۔ وہ جانتا تھا کہ مخالف راجا معجزوں پر اندھا یقین رکھتا ہے۔ کوتلیہ نے کہا۔ "تم اپنے مندر کی آگ لاؤ اور اس کے ذریعے راجا چندر گپت کو جلا ڈالو۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا مگر چندر گپت بڑے اطمینان سے اپنے گرو کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ مخالف راجا نے کہا۔ "یہ کیا مذاق ہے؟ تم چیلے جی اپنے راجا کو جلا کر مارنا کیوں چاہتے ہو؟"

"میرا وشواس ہے، مندر کی وہ مقدس آگ اسے نہیں جلائے گی۔"

"آگ مندر کی ہو یا چولہے کی... ہر چیز کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔"

کوتلیہ نے کہا۔ "اگر اس آگ نے چندر گپت کو کوئی نقصان نہ پہنچایا تو یہ تسلیم کر لینا کہ دیوتاؤں نے اس کی حکمرانی قبول کر لی ہے۔ اس کے بعد تمہیں اس راجدھانی سے دستبردار ہونا پڑے گا۔"

وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔ کوتلیہ نے کہا۔ "اور اگر چندر گپت کے جسم کا کوئی حصہ جل جائے گا تو یہ اپنی راجدھانی تمہارے نام کر دے گا۔ تمہارا باج گزار بن جائے گا۔"

وہ تھوڑی دیر تک الجھتا رہا پھر یہ سوچ کر حامی بھر لی کہ آگ کا کام جلنا اور جل کر دوسروں کو جلانا ہے۔ اچھا ہی ہے کہ چندر گپت جل کر مر جائے یا اپاہج ہو جائے۔ اس طرح پاٹلی پتر اور مگدھ کی ریاست بغیر کسی جدوجہد کے اس کے ہاتھوں میں آ جائے گی۔ چنانچہ اس کے حکم کے مطابق مندر کی آگ لائی گئی۔ راجا کے سپاہیوں نے اس کے ذریعے چندر گپت کو جلانا چاہا لیکن یہ دیکھ کر شدید حیران ہوئے کہ آگ اس کے بدن پر اثر انداز نہیں ہو رہی ہے۔ کئی بار کوششیں کی گئیں مگر بے سود...

مخالف راجا کے ہاتھوں سے اس کی راجدھانی جانے والی تھی۔ اس نے گھبرا کر اس آگ کو آزمانا چاہا اور اپنے ایک سپاہی کو حکم دیا کہ وہ اسے اپنے بدن سے لگائے۔ اس تجربے کے نتیجے میں اس سپاہی کا ایک بازو جل گیا۔ کوتلیہ نے کہا۔ "دیکھ لو اور اچھی طرح جان لو... تمہارے مندر کے دیوتا ہمارے راجا کو قبول کر رہے ہیں۔ اب تم اپنا وعدہ پورا کرو۔"

وہ مخالف راجا اس تجربے سے مرعوب ہو رہا تھا۔ اپنی زبان سے پھر نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے وعدہ پورا کیا اور راجدھانی سے دستبردار ہو گیا۔ یوں ایک وسیع و عریض سلطنت چندر گپت کے قبضے میں آ گئی۔ وہ جنگ و جدل کے بغیر فاتح بن کر لوٹ آیا۔

آگ کو بے اثر کرنے کے سلسلے میں کوتلیہ نے بہت سے نسخے تیار کیے تھے۔ انہی میں سے ایک نسخے کو آزما کر اس

نے چندر گپت کو آگ کے اثر سے محفوظ رکھا تھا۔

کوتلیہ جادو جانتا تھا۔ مختلف ٹونے ٹوٹکوں کے ذریعے ایسے ایسے کمالات دکھاتا تھا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔ اس نے چندر گپت کے تمام فوجیوں اور محافظوں کے لیے ایک خاص قسم کا سرمہ تیار کیا۔ اس کا باقاعدہ استعمال آنکھوں کو ایسا روشن کرتا تھا کہ وہ تاریکی میں دور تک دیکھنے لگتے تھے۔

کوتلیہ چانکیہ نے دشمنوں کو ضرر پہنچانے اور انہیں تباہ کرنے کے لیے سیاسی چالبازیوں اور مکاریوں کے علاوہ منتروں کا جاپ کیا اور ایسی ادویات استعمال کیں، جن کے نتیجے میں چندر گپت کو بے مثال قوتیں حاصل ہوتی رہیں اور وہ دشمنوں کے لیے ناقابلِ تسخیر بنتا رہا۔

کوئی ہمیشہ کسی کے ساتھ نہیں رہتا۔ وہ چندر گپت کا دستِ راست، وفادار گرو، اپنے راجا کو اندھیروں میں روشنی دکھانے والا، جادوئی نسخے، موثر مرکبات، ادویات اور ناقابلِ یقین نتائج کی حامل ترکیبیں آزمانے والا، غیر معمولی ذہانت سے ناممکن کو ممکن بنانے والا ایک دن اپنی تمام تر ذہانت کے ساتھ موت کے اندھیروں میں گم ہوگیا۔

اس کا ساتھ چھوٹا تو چندر گپت کو احساس ہوا کہ اس کے ہونے سے سب کچھ تھا۔ اب نہ ہونے سے وہ راجا اندر سے خالی اور کھوکھلا ہوگیا تھا۔ اس کی وفاداریوں اور سیاسی چالبازیوں نے جہاں چندر گپت کو عروج کی بلندیوں پر پہنچایا تھا۔ وہیں اسے بڑی حد تک بزدل بھی بنادیا تھا۔

بلاشبہ اس نے اپنے گرو سے بہت کچھ سیکھا تھا مگر اس کی انگلی پکڑ کر چلنے کا عادی ہوگیا تھا۔ رہبر کی انگلی چھوٹی تو وہ قدم قدم لڑکھڑانے لگا۔ کسی بھی فیصلے کو حتمی شکل دینے کے لیے وہ کوتلیہ کی رائے حاصل کرتا تھا لیکن اب وہ مشیر نہیں رہا تھا۔ اس کی حالت اس بچے جیسی ہوگئی تھی جس کی ماں گم ہو چکی ہو اور باپ مر چکا ہو اور وہ روتا ہوا انہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہو۔ وہی گرو اس کی ماں بھی تھا اور باپ بھی..... وہ بچہ نہیں تھا۔ لہٰذا اسے ڈھونڈتا نہیں تھا۔ اس کے لیے روتا نہیں تھا۔ عقل سمجھاتی تھی کہ جو راجا گدی پر بیٹھ کر کسی گرو کی محتاجی ظاہر کرے گا، وہ کمزور کہلا کر دشمنوں کو شہ زور بنائے گا۔

مگر کیا کیا جائے...؟ زوال کی گھڑی آچکی تھی۔ انہی دنوں قحط سالی کے باعث رعایا بھوکی مرنے لگی۔ اس نے آس پاس کی ریاستوں سے اناج کا ذخیرہ حاصل کرنا چاہا لیکن پاٹلی پتر کے مہاراجا کو کمزور بنانے کا یہی تو وقت تھا۔ جتنے راجا اس کے باج گزار تھے، وہ پیٹھ دکھانے لگے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی پرجا کو بھوکا رکھ کر تمہارا پیٹ نہیں بھریں گے۔

کوتلیہ چانکیہ جتنے رہنما اصول چھوڑ گیا تھا، ان میں سے کوئی اصول، کوئی طریقہ ایسا نہیں تھا جس کے ذریعے قحط سالی کا مسئلہ حل کیا جاتا۔ وہ غیر معمولی ذہانت رکھنے والا زندہ ہوتا تو فوراً ہی راجا کی انگلی پکڑ کر اس گمبھیر آفت سے اسے گزار دیتا۔ ایسے ہی وقت چندر گپت کو شدت سے احساس ہوا کہ وہ گرو کے بغیر بالکل ہی بے دست و پا ہو چکا ہے۔

ایک ہندو روایت جسے یورپی مورخین بھی درست تسلیم کرتے ہیں، بتاتی ہے کہ ایک طویل قحط سالی کے نتیجے میں جب چندر گپت کی سلطنت میں مایوسی اور مفلوک الحالی پھیل گئی تو وہ مسندِ اقتدار سے دستبردار ہوگیا۔ اس نے حکومت سے کنارہ کش ہونے کے بعد جین مت کے جوگیوں کا طرزِ زندگی اپنا لیا اور جین کے ایک بزرگ بھدرا باہو کے ہمراہ جنوبی ہند کی طرف چلا گیا۔

جین مت کے اصولوں کے مطابق خودکشی نجات کا راستہ ہے۔ ایسی خودکشی جو یکلخت نہ ہو۔ انسان رفتہ رفتہ موت کی طرف بڑھتا رہے۔ فاقہ کشی کی صورت میں قدم قدم موت کے قریب پہنچنا چاہیے۔ یوں زندہ رہنے کی خواہش کے مقابلے میں روح کو عظیم تر فتح حاصل ہوتی ہے۔ بہت سے جین اسی طرح زندگی کی قید سے آزاد ہوئے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

چندر گپت موریا نے بھی یہی راستہ اختیار کیا۔ مسلسل فاقے کرتے کرتے اس نے زندگی کے آلام سے اور مسائل سے نجات حاصل کرلی۔

موریا سلطنت کی داغ بیل ڈالنے والا پاٹلی پتر اور مگدھ جیسی بڑی ریاستوں پر حکومت کرنے والا آخری بارہ برسوں میں دربدر کا ہوگیا تھا۔ نہ محل رہا تھا، نہ محرمِ راز..... آخری سانس لیتے وقت اس کا کوئی اپنا آس پاس نہیں تھا۔ بادشاہوں اور شہنشاہوں، راجاؤں اور مہاراجاؤں پر بھی ایسا عبرتناک وقت آتا ہے اور اپنے بعد رہنے والوں کو بہت کچھ سکھاتا ہے... بس سمجھنا شرط ہے۔

کہانی کے تاریخی ماخذ

قدیم تاریخ ہند	ہندوستان	ارتھ شاستر	کتاب الہند	ہندوستانی سماج
ڈی۔ اے اسمتھ	ول ڈیورانٹ	کوتلیہ چانکیہ	البیرونی	ٹھاکر وکرم داس